

وہ سیراجے

کالوٹ

بچتاوے بھرے تاسف سے اس نے سر جھٹکا پھر
گردن موڑی۔ نگین شیڈ تلے کرسی پہ بیٹھی ناول میں
گم تھی۔
”کیا پڑھ رہی ہو اتنی دیر سے؟“ اسے پھر سے غصہ
آنے لگا۔ ایک تو جگہ بورترین تھی، اوپر سے نگین کی
شخصیت۔
”ہوں؟“ صفحے سے نگاہیں اٹھائے بنا مبہم سا
استفسار۔
”میں نے پوچھا ہے کیا پڑھ رہی ہو؟“ وہ اس کے
کان کے قریب آکر چیخی۔

دونوں ہاتھ ریٹنگ پہ جمائے وہ جھک کر ٹیس
تے نیچے دیکھ رہی تھی۔ دور دور تک کالونی میں خاموشی
اور اسی کاراج تھا۔ شام کی نیلاہٹ ہر سوا ترے لگی
تھی۔ پرندے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ اونچے
نواصورت بنگلے قطار میں خاموشی سے کھڑے تھے۔
فسا میں ایک نامحسوس سا بو جھل پن تھا۔
غیر دلچسپ پھیپکا اور بے رنگ سامنظر!
اس کی نگاہیں ہایوس سی پلٹ آئیں۔ بے حد
بوریت بھری جگہ تھی وہ اگر اسے پہلے علم ہوتا تو کبھی
خالی کے گھر چھٹیاں گزارنے نہ آتی۔



”شش! زرنیلا چائے بنانے گئی ہے۔ کمیل آیا ہوا ہے۔“ شرمیلی مسکان لبوں پہ سجائے، نگین نے تجسس بھری بے چینی سے صفحہ پلٹا۔ وہ ہنس کر رہ گئی۔

اماں نے کہا تھا، چھٹیاں اچھی گزریں گی، خالہ کے پاس رمضان میں اسلام آباد چلی جاؤ اور اس نے فوراً خوشی خوشی حامی بھری۔ خالہ لوگوں سے ملے بھی تو پانچ چھ برس ہو چکے تھے۔ وہ لوگ کراچی شفٹ ہوئے تو آنا جانا ختم ہی ہو گیا تھا۔ اب اسی سال اسلام آباد واپس آئے تھے۔ وہ ان کے آنے پہ بے حد خوش تھی۔ فون کا ہی سہی مگر رابطہ تو تھا۔ اور یونہی باتوں باتوں میں اس نے نگین کو کہہ ڈالا کہ۔

”میرا گمان ہے تم آج بھی چھ سال پہلے والی نگین ہوگی۔ عینک والی، تیل لگائے کی وی اخبار یا کتاب میں گھسی ہوئی؟“

”تمہارا گمان غلط بھی تو ہو سکتا ہے، ہانی! میں بہت بدل گئی ہوں!“ نگین نے اپنے انڈی ساہ انداز میں اسے یقین دلایا تھا مگر جب ہانی نے یہاں آکر اسے دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ اس کے گمان واقعی سچ نکلتے ہیں۔

چھ سال بعد بھی نگین ویسی ہی تھی۔ آنکھوں پہ مونے عد سے والا بڑا سا چشمہ، تیل میں گندھی چوٹی اور چہرے پہ چھایا ہونق پن۔ وہ ایک ٹائم ٹیل کے تحت چلتی تھی۔ اپنا نہیں کی وی چینلز کا ٹائم ٹیل۔ مارننگ شو شروع ہونے سے ایک منٹ قبل وہ جاتی، پھر چشمہ اٹھایا اور بھاگ کر کی وی چلایا، پھر پہلا وقفہ آنے تک وہ بنا پلک جھپکے اسکرین پہ نگاہیں گاڑے بیٹھی ہوتی۔ وقفے میں منہ دھونے آگئی۔ لی وہ کی دلدادہ ڈراموں کے نشر مکرر بھی دیکھا کرتی۔

جو وقت ڈراموں سے بچتا، ان میں وہ ناولز لے کر بیٹھ جاتی۔ کرسی پہ ٹانگیں چڑھائے، تیل میں گندھی چوٹی کندھے پہ ڈالے، وی تاریخی چشمہ پہنے، کتاب میں گھس کر پڑھتی نگین اسے بہت بور کر رہی تھی۔

”کہاں یہ ہونق لڑکی، اور کہاں وہ لاہور کی پرس! خوبصورت، پر اعتماد، اور پر جوش، ٹپ ٹاپ سے رہنے والی جس کے سکلی لمبے بال شانوں پہ لہرا رہے ہوتے، فیشن اور اسٹائل جس پہ ختم تھے، جو ہر دم ہر چیز میں شغل تلاشتی تھی اور جواب ادھر آدھرا بے زار، بور قسم کے اسلام آبادیوں میں پھنسی بیٹھی تھی۔ اس سے تو بہتر تھا کہ لاہور میں ہی رہتی۔ جہاں ہر دم رونق، اور شغل ہوتا تھا۔“

”ہائے اللہ۔“
”کیا ہوا؟“ نگین کی کراہ پہ وہ گھبرا کر پلٹی۔
”شاہ نیل نے زرنیلا کے اوپر چائے گرا دی۔“ وہ پریشانی سے سینے پہ ہاتھ رکھے پڑھتی جا رہی تھی۔
”دفع ہو جاؤ نگین!“ وہ پیرنچ کر دوبارہ رینگ کے پاس چلی آئی۔

کالونی ویسی ہی ویران پڑی تھی۔ اس کی بورت اتنا کو پہنچ چکی تھی اور قریب تھا کہ وہ واپس جانے کا فیصلہ کر لیتی، جب اس نے سامنے والوں کے گیٹ میں زن سے داخل ہوتی گاڑی دیکھی۔
رینگ پہ ہاتھ رکھے، ہانی نے گردن اونچی کر کے دیکھا۔

کوئی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے موبائل کان پہ لگائے، دوسرے سے لاک میں چابی گھماتا، وہ جو بھی تھا، بہت ہینڈ سم تھا۔ نیلی جینز پہ سیاہ شرٹ، لمبا قد اور صاف رنگت۔ وہ اب گیٹ بند کرنے واپس پیچھے کو جا رہا تھا۔ فون بدستور کان سے لگا تھا۔ اس کے ساتھ ہی گاڑی کے پچھلے دروازے سے ایک گورا نکلا تھا۔

”بلیک وائٹ!“ ہانی کے ذہن میں بے اختیار یہ خیال ابھرا۔

گیٹ بند کر کے اب وہ اندر جا رہا تھا۔ پھر جب اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا تو ہانی نے رکی ہوئی سانس باہر نکالی۔ اف، کتنا ہینڈ سم تھا، لیکن ملک دشمن۔
”نگین۔ نگین۔“ وہ دوڑ کر اس کے پاس آئی۔

اپس جانے کے سارے پروگرام بھول گئے تھے۔ ”تم نے اسے دیکھا ہے؟“
”کے؟“

”وہ جوسی فائیو میں رہتا ہے۔“
”ہاں، دیکھا ہے۔“ نگین کا چہرہ ہنوز کتاب پہ جھکا نا۔

”اچھا، کون ہے؟“ وہ خوشی بھرے تجسس سے اس کے قریب ہوئی۔

”کیسا ہے؟“ نگین نے لمحے بھر کو ناول سے سر نہایا پھر ٹھہر ٹھہر کرتا نے لگی۔ ”بڑا پارا ہے، سفید رنگت، سکلی بال، بھوری آنکھیں، موٹا قد، مضبوط قامت، اور یہ لمبی سی دم!“

”دم؟“ وہ آنکھیں موندے جو کسی حسین تصور میں کھوئی تھی، جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔ ”اس کی دم بھی ہے؟“

”ہر کتے کی دم ہوتی ہے ہانی!“

”کتا؟ کون سا کتا؟“
”وہ جو سامنے والوں کا ہے!“
”ابے! میں کتے کی نہیں اس کے مالک کی بات کر رہی ہوں!“

”اوہ اچھا، وہ۔“ نگین جواب دیتے ہوئے پھر سے پڑھنے لگی تھی۔ ”وہ کوئی نیا کرائے دار ہے۔ ابھی ہفتہ بھر پہلے شفٹ ہوا ہے۔ وہ سفید جرمین شیفرڈ اسی کا ہے نا۔ سنا ہے انگلینڈ سے آیا ہے۔ کتا بھی ساتھ ہی لایا ہے۔“

”مہوں۔ چلو پھر اس کے گھر چلتے ہیں۔“ وہ کچھ سوچ کر اٹھی۔ نگین نے پہلی دفعہ ناول سے چہرہ اٹھا کر حیرانی سے اسے دیکھا۔
”مگر کیوں؟“

”یہ تم بتاؤ۔ تمہارے ناول کی ہیروئن ہیرو سے کیسے ملی تھی؟“

”وہ۔۔۔ زرنیلا کمیل کے گھریانی دینے گئی تھی تو۔۔۔“

”بس ہم بھی اس کے گھریانی دے کر آتے ہیں۔ چلو۔“

”گھریانی! جب زرنیلا گئی تو آگے سے۔“

”بھاڑ میں گئی تمہاری زرنیلا!“ اس نے غصے سے ناول کھینچا اور بنا دیکھے پیچھے پھینکا۔

سیڑھیوں سے چھوٹو کپڑوں کی گھڑیاں اٹھائے آرہا تھا۔ ناول اس کے سر پہ لگا۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ گھڑیوں سمیت پیچھے گرا۔

”تمہارا ناول تو چیخا بھی ہے۔“ ہانی حیرت سے مڑی۔ سامنے کوئی نہیں تھا مگر نگین دیکھ چکی تھی۔

”میرا ناول۔“ وہ سیڑھیوں کی جانب دوڑی۔
”رکو تو!“ وہ پیچھے لپکی۔

سیڑھیوں پہ تینوں گھڑیاں اوپر نیچے پڑی تھیں۔ نگین ان کے درمیان ہاتھ مار رہی تھی۔
”مر گیا یا بچ گیا؟“

”بچ گیا۔“ اس نے خوشی خوشی کہیں سے کتاب کھینچ نکالی۔

”اوہ ماروتا اے باجی!“ چھوٹو کیس اندر کراہ رہا تھا۔ بارہ سالہ کام والا لڑکا اس کی ڈرامہ بازوں سے وہ اچھی طرح واقف تھیں، سو نکلیں نے جھک کر اس کی نبض چیک کی۔

”زندہ ہے یہ۔“ اور ہانی اسے ہاتھ سے کھینچ کر نیچے لے آئی۔

لاؤنج کے اس طرف کچن تھا۔ کھلے دروازے سے خالہ چولہے کے پاس کام کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

”خالہ!“ وہ بہت خوشگوار موڈ میں انہیں پکارتی ہوئی اندر آئی۔ ”بڑی خوشبو آ رہی ہے۔ کیا پکا رہی ہیں؟“

”کر لیتے؟“ اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ حلق تک کڑوا ہو گیا۔ پھر فریج پر نظر پڑی تو ذرا امید بندھی۔

”خالہ! کل کا کون سا سالن رکھا ہو گا؟“

”ٹینڈے بینگن۔“ وہ مصروف سی ہانڈی میں چھجھلا رہی تھیں۔

اب بھلا ٹینڈوں میں بینگن ڈال کر کون کھاتا تھا، سوائے خالہ کے۔

”ٹینڈے رکھے تھے تو آج کر لیتے نہ بتاتیں ہمیں، کھالیتے۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی فریج کا جائزہ لینے لگی، مگر خالہ کے کان بہت تیز تھے۔

”اللہ بخشے میرے سر مرحوم کو، وہ کہا کرتے تھے، جس گھر میں روز جو لہا جلتے وہی گھر بستا ہے۔“

”سوئی گیس کے محکمے میں تو نہیں تھے آپ کے سر؟“

”کیا کہا؟“

”کچھ نہیں امی! آپ یہ بتائیں۔ کوئی سوٹ ڈش رکھی ہے؟“

نکلیں کی پہلی سمجھ داری کی بات پہ ہانی نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ ذرا سی شرما گئی۔

”وہ زونپلا بریانی کے ساتھ کھیر بھی لے کر گئی تھی نا۔“ سرگوشی میں بتایا۔ ادھر خالہ شروع ہو چکی تھیں۔ ”سوٹ ڈش کہاں سے آئی؟ صبح سے چینی حتم

ہے۔ اللہ بخشے میرے سر مرحوم کو، وہ کہا کرتے تھے۔ جس گھر میں چینی نہ ہو وہ گھر۔“

اور وہ نکلیں کو ہاتھ سے پکڑ کر باہر کھینچ لائی۔

”چینی حتم ہے نا، ہم اس سے چینی مانگنے جا رہے ہیں۔“

”ہائے اللہ ہم کوئی مانگنے والیاں ہیں۔“

”اوہو، چینی مانگنے سے کیا ہوتا ہے؟“ وہ اسے زبردستی لاؤنج تک اپنے ساتھ لائی، پھر پلٹ کر دیکھا۔

وہاں ایک کونے میں صوفے کے اوپر نیچے ڈائیں بائیں ہر طرف کتابوں کے ڈھیر لگے تھے۔ ایک چوڑی سی انسائیکلو پیڈیا ٹائپ کی کتاب کھلی کھڑی تھی، دو ہاتھوں نے اسے تھام رکھا تھا۔ تھامنے والے کا چہرہ

کتاب کے پیچھے چھپا تھا۔

”سنی! اگر خالہ ہمارا پوچھیں تو کہنا کہ ہانی اور نکلیں کتے والے سے۔ سوئی سامنے والوں سے چینی مانگنے گئی ہیں۔“

اس نے کھلی کتاب کو آواز لگائی۔ کتاب ذرا نیچے ہوئی اور پیچھے چھپا اوپر نکلا۔

تیرہ سالہ سنی، جس کی ہیری پوٹر والی گول عینک ناک پہ پھسل رہی تھی۔

”چینی؟“ اس نے انگلی سے ناک پر گرتی عینک پیچھے کی۔ ”کیا آپ جانتی ہیں کہ چینی گنے کے رس سے بنتی ہے اور اس کی کمی سے دماغ کے سیل مرنے لگتے ہیں۔“

”اوہو!“ وہ جھٹک کر واپس پلٹی۔

ایک سے ایک نمونہ پڑا تھا خالہ کے گھر۔ لاہور سے ادھر آ رہی تھی تو مسہلہاں کہہ رہی تھیں کہ خالہ کے

کسی ہینڈ سم بیٹے سے منگنی کروا کر آنا۔ اب ان کو کیا بتاؤں گی کہ خالہ کے بچے، وہی اچھے اور اتنے اچھے کہ

اپنے کسی کام کے نہیں رہے۔ خالو بھی خالہ کے سر کی طرح مرحوم ہو چکے تھے اور پیچھے عجب تکون چھوڑ گئے تھے۔

اس نے ”کتے والے“ کی تیل بجائی، پھر ایک ہاتھ سے کھلے بل سنوارے۔ دوسرے ہاتھ نے ابھی تک

نکلیں کا ہاتھ دلوچا ہوا تھا، جو بے حد ڈری سہمی گھبرائی گھبرائی سی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

”تم کیوں پریشان ہو؟“

”ہانی۔ اگر اس نے ہمیں ڈانٹ دیا تو؟“

”تو ہم فوراً“ سے گر کر فوت ہو جائیں گے، ٹھیک ہے؟“

”دوب مرو نکلیں! بندہ ہی ہے، کتا تو نہیں کہ کھا جائے گا اور۔“

اسی بل کتے کے زور سے بھونکنے کی آواز آئی۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹی۔

”شش! رومیو! لی کوائٹ!“ کوئی برآمدے کے دروازے سے نکلتے ہوئے کتے کو نرمی سے ڈانٹ رہا تھا۔

بھونکنے کی آواز فوراً ”رک گئی۔“

”واہ۔ کتا تو بڑا رومانٹک رکھا ہے جناب نے۔“

رومیو اس نے بے ساختہ سراہا۔

قدموں کی آواز قریب آئی اور گیٹ کا بک ہٹا۔ پھر دروازہ اندر کو کھلا۔

”فرمائیے۔“ وہ اکھڑے اکھڑے تیور لیے سامنے ہوا۔

نکلیں اس کی کہنی پکڑے بالکل اس کے پیچھے جا چھپی۔

”السلام علیکم۔ ہم سامنے والے گھر میں رہتے ہیں۔“

”پھر؟“

”وہ۔ دراصل۔۔۔ آپ شاید نئے آئے ہیں۔۔۔ آپ۔۔۔“

”ہانی نے رک کر سوالیہ ابرو اٹھائی۔“

”یہیں فرما ہوں!“

”اور میں شیریں۔“ بے ساختہ لبوں سے پھسلا۔

”جی؟“

”وہ۔۔۔ شیرہ بنانا ہے، چینی چاہیے تھی۔“ وہ ہڑبڑا کر سنبھلی۔

”شیرہ چینی سے بنتا ہے یا گڑ سے؟“ نکلیں نے پیچھے سے سرگوشی کی۔ اس نے چہرے پہ مسکراہٹ سجائے،

زور سے اپنا جوتا نکلیں کے پاؤں پہ رکھا۔ جواباً ”وہ دبی

دبی سی سکی۔“

”سوئی، میرے پاس چینی نہیں ہے۔“ خشک لہجے میں کتا گیسٹ بند کرنے لگا۔

”مگر کیوں؟ لگتے تو آپ خاصے ویل آف ہیں۔“

”محترمہ! میں بیٹھا نہیں کھاتا۔“

”تو چائے میں کیا ڈالتے ہیں؟“

”کینڈرل!“ وہ دانت پیس کر ضبط سے بولا ”سامنے کونے پہ اسٹور ہے، وہاں سے چینی مل جائے گی۔ اور ساتھ میں اخلاقیات کی کوئی کتاب بھی۔“ اور کھٹ سے دروازہ بند کر دیا۔ پھر زور سے کندھی چڑھائی۔

کتا پھر سے بھونکنے لگا۔

”واہ۔۔۔ خود فرما رہیں، کتا رومیو ہے، مگر رومانس ذرا چھو کر نہیں گزرا۔ جہنم میں جائیں میری طرف سے وہ خفت چھپانے کو زور زور سے بڑبڑاتی واپس پلٹی۔

”میں تمہیں بتانے ہی لگی تھی ہانی! مگر تم نے نہیں سنا۔“

”کیا؟“ نکلیں کی شرمندہ آواز۔ وہ چونکی۔

”یہی کہ جب زونپلا بریانی لے کر گئی تھی تو کھیل نے بھی یہی کہا تھا۔“ نکلیں نے بے بسی سے سر جھکا دیا۔

وہ پیر پچ کر آگے بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

اس نے الماری کا پٹ کھولا۔ سامنے ہی ایک استری شدہ نیاریڈی میڈ جوڑا لٹکا ہوا تھا۔ جدید تراش خراش کا خوبصورت جوڑا۔

ہانی نے حیرت سے پلٹ کر نکلیں کو دیکھا جو چہرے کے سامنے کتاب کیے آرام وہ کرسی پہ جھول رہی تھی۔ اس وقت اس نے سستی سی لان کا پینڈو سا جوڑا

زیب تن کر رکھا تھا۔

”یہ جوڑا کس کا ہے؟“

”میرا۔“ بنا سراٹھائے جواب ملا۔

”کون لایا تھا؟“ اسے یقین نہ تھا کہ نکلیں کی پسند اتنی زبردست ہو سکتی ہے۔

اس نے الماری کا پٹ کھولا۔ سامنے ہی ایک

استری شدہ نیاریڈی میڈ جوڑا لٹکا ہوا تھا۔ جدید تراش

خراش کا خوبصورت جوڑا۔

ہانی نے حیرت سے پلٹ کر نکلیں کو دیکھا جو چہرے کے سامنے کتاب کیے آرام وہ کرسی پہ جھول رہی تھی۔ اس وقت اس نے سستی سی لان کا پینڈو سا جوڑا

زیب تن کر رکھا تھا۔

”یہ جوڑا کس کا ہے؟“

”میرا۔“ بنا سراٹھائے جواب ملا۔

”کون لایا تھا؟“ اسے یقین نہ تھا کہ نکلیں کی پسند اتنی زبردست ہو سکتی ہے۔

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

”می“
”تو پہنتی کیوں نہیں ہو؟“

”خالہ رشیدہ نے بتایا تھا کہ اس پہ سایہ ہے۔“
”کیا؟“ اس نے گھبرا کر الماری بند کی اور دونوں ہاتھ جھاڑے پھر ایک دم ٹھنک کر پلٹی ”یہ خالہ رشیدہ کون ہیں؟“

”پتا نہیں!“ کتاب پہ سر جھکائے نگین نے شانے اچکائے۔
”تو تمہیں کہاں ملیں؟“

”خواب میں۔ میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھی خاتون میرے پاس آئیں اور انہوں نے بتایا کہ ان کا نام خالہ رشیدہ ہے اور یہ کہ ان سارے کپڑوں پہ سایہ ہے۔ سو ان کو میں نہ پہنا کروں۔ اس لیے میں نہیں پہنتی۔“
”بالکل بدھو ہو تم!“ وہ جارحانہ انداز میں الماری کی طرف بڑھی پھر رک گئی ”کیا پتا واقعی ان پہ سایہ ہو! ورنہ خالہ رشیدہ کو کیا شوق تھا نگین کے خواب میں آنے کا؟“

وہ آہستہ سے الماری سے پرے کھسک آئی۔
”سنو نگین!“ چند لمحے بعد اس نے اسے پکارا۔

”تمہارے پڑوسی کے پاس چلتے ہیں۔“
”پھر اب کیا بہانہ کریں گے؟“

”تمہاری اس رنگیلا نے اگلا بہانہ کیا کیا تھا؟“
”زرنیلا۔“ نگین نے برامان کر اسے دیکھا۔

”جو بھی ہے۔ ابھی تو مجھے بس فرہاد کا نام یاد ہے۔“
وہ چت بیڈ پہ گر گئی۔ ”بڑا شاندار بندہ ہے۔ اس کے ساتھ یہ چھٹیاں بہت اچھی گزریں گی۔“ سنو! وہ پر جوش سی ہو کر اٹھی۔ ”تمہیں اس کے ساتھ سیٹ نہ کراؤں۔“

”توبہ کرو ہانی! کیسی باتیں کرتی ہو۔ وہ اکیلا بندہ پتا نہیں کون ہے۔ اور تم!“ سرخ پڑتے چہرے کے آگے اس نے کتاب کر لی۔

”اکیلا!“ ہانی نے جیسے کچھ سمجھ کر سر ہلایا۔ ”وہ اکیلا کیوں رہتا ہے۔“

لیک کر کھڑکی کی طرف آئی۔ پردہ ہٹایا تو سامنے

اس کا تیس دھائی دے رہا تھا۔ اس کو اپنے شکوک صحیح ہوتے نظر آرہے تھے۔

”ایک اکیلے بندے کو اتنا بڑا گھر کرائے پہ لینے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف ایک پورشن کیوں نہیں کیا اس نے؟“ وہ آنکھیں سیکڑے اس کے تیس کو دیکھ رہی تھی۔ ”مجھے کیوں گمان ہو رہا ہے نگین! کہ ضرور کوئی بات ہے ورنہ اتنا بڑا گھر لے کر کیوں رہتا؟ اس نے اس دن ہمیں چینی بھی نہیں دی کہ کہیں ہم اس کے گھر کے اندر نہ آجائیں۔ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ تم سن رہی ہو یا نہیں؟“

”ہاں ہاں!“ نگین نے گھبرا کر کتاب سے سر اٹھایا۔
”تم کہہ رہی ہو کہ اس کی چینی میں گڑبڑ ہے۔“

”نہیں گڑبڑ تمہارے دماغ میں ہے۔ اچھا چلو آج سنی کے پاس ہونے کی خوشی میں جو خالہ نے کھیر بنائی ہے وہ اسے دے کر آتے ہیں۔“
”مگر ماں نے تو اس لیے بنائی ہے کہ دودھ بچا پڑا تھا اور۔۔۔“

”اسے کیا پتا کس لیے بنائی ہے بس چلو۔“ وہ تیزی سے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ سنگھار میز کے آئینے میں اس کا عکس نمایاں تھا۔ کھلتے ہوئے گلابی رنگ کی چوڑی دار آستینوں والا لبا فراک اور پاجامہ بنے مسکلی پائل آنکھوں میں کاجل لگائے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اپنی تیاری سے مطمئن ہو کر پلٹی تو نگین ادھر نہیں تھی۔

”یہ کدھر گئی۔“ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تو لاؤنج میں وہ عین نیوی کے سامنے بیٹھی تھی۔ بنا نگاہیں جھپکے وہ اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ ہانی نے گھڑی دیکھی۔ آٹھ بج گئے تھے۔ اب نگین سے کچھ کہنا بے کار تھا۔

کونے میں کتابوں کے ڈھیر میں سنی کا سر دکھائی دے رہا تھا۔ اسے یکدم ایک خیال آیا۔

”سنی! تم کتنے اچھے ہو!“ وہ خوش دلی سے کہتی اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔

سنی نے سر اونچا کیا پھر مشکوک نظروں سے اسے

دیکھتے ہوئے انگلی سے ناک پہ پھسلتی عنک پیچھے کی۔
”سنی! مجھے لگ رہا ہے آج بارش ہوگی، ہے نا؟“

”ہوں۔ مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے!“ اس نے بغور ہانی کی بے تکلف مسکراہٹ کو دیکھا۔ ”عموماً وہ ہر وقت جلی بھی رہتی تھی۔“

”مجھے بارشیں بہت پسند ہیں۔“ اس نے مزید بے تکلفی برعکس چاہی۔

”کیا آپ جانتی ہیں کہ ہر سیکنڈ پورے کہ ارض پہ جتنی مقدار میں بارش ہوتی ہے اتنا ہی پانی ہر سیکنڈ میں زمین پر سے بخارات بن کر اڑ جاتا ہے؟“

وہ پیرنچ کر کھڑی ہوئی۔ سارا دوستانہ پن ہوا ہو گیا تھا۔ سوچا تھا کہ اسے فرہاد کے گھر اپنے ساتھ لے جائے گی۔ مگر اس گھر میں کوئی نارمل نہیں تھا۔

”خالہ پوچھیں تو بتا دینا کہ میں ذرا پڑوسی میں جا رہی ہوں۔“

سنی نے شانے اچکائے اور پھر سے کتاب چہرے کے سامنے کر لی۔

وہ کچن میں آئی فریج سے کھیر نکالی۔ پھر ٹرے میں چھوٹے ڈونٹے میں ڈال کر سیٹ کی۔ اوپر پلیٹ رکھی۔ حالی دار کپڑے سے ڈھکا۔ ایک نظر خود کو سلیب کے چمکتے ماربل میں دیکھ کر اوکے کیا اور باہر چلی آئی۔

بجلی گئی ہوئی تھی اور گیٹ کھلا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ٹرے تھے۔ سو گیٹ کیسے بجاتی؟ یا پھر لہجہ جس فطرت غالب آگئی۔ وہ بنا دستک دیے اندر گھس آئی۔

کتانا نگین پیارے سو رہا تھا۔ اس نے شکر کیا۔ برآمدے سے اندر کھلنے والا کھڑکی کا دروازہ نیم وا تھا۔ وہ آہستہ سے دبے پاؤں برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی جب اندر سے آتی آواز نے اس کے قدم روک دیے۔

”جی جی سر! آپ فکر نہ کریں۔“ اور پھر ایک جاندار سا قہقہہ۔ وہ فرہاد ہی تھا۔

ہانی ذرا سی دیوار کی اوٹ میں ہو گئی۔
”مجھ پہ بھروسہ رکھیں۔ میں نے کمانا میں بلاسٹ

چاند رات کو ہی کروں گا۔ اچھا ہے، عید والے دن لوگوں کے گھر صف ماتم بچھی ہو تو کتنا مزہ آئے۔“

ٹرے اس کے ہاتھوں میں لرز گئی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا اچھانے لگا۔

”جی جب تک آپ کا کام نہ ہو جائے میں ادھر پاکستان میں ہی رہوں گا جیسے ہی کام ہو گا سسٹن واپس آجاؤں گا۔“

آواز خاموش ہو گئی۔ شاید اس نے فون بند کر دیا تھا۔

وہ لٹے قدموں باہر کو بھاگی۔ گیٹ کھلا ہی رہ گیا بند کرنے کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ بس ایک خیال حواسوں پہ چھا گیا تھا۔

دہشت گرد! یقین ہو گیا تھا۔ وہ شخص دہشت گرد تھا۔ تب ہی وہ کہے کہ اکیلا کیوں رہ رہا ہے۔ نہ اس نے اسے آفس وغیرہ جاتے دیکھا اور نہ کسی کو اس کے پاس آتے دیکھا۔ آخر بات وہی نکلی اسے بم بلاسٹ کرنا تھا۔

کیوں؟ آخر کیوں اس کے گمان بج نکلتے تھے؟
اس نے ٹرے سلیب پہ پٹخی اور حواس باختہ سی لاؤنج میں آئی۔

نگین اسی طرح ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

”نگین۔۔۔ نگین! وہ دہشت گرد ہے، وہ غیر ملکی ایجنٹ ہے، وہ پاکستان میں دھماکا کرنے آیا ہے اس نے چاند رات پہ بلاسٹ کرنا ہے!“

نگین نے حیرت سے گردن اس کی جانب موڑی۔
”کون؟“

”وہی سی فائیو والا۔“
”وہ کتا؟“ اس کا منہ کھل گیا۔

”کتا نہیں اس کا مالک۔“
”کیا کہہ رہی ہو ہانی؟“ نگین کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”سچ کہہ رہی ہوں۔“
”ہو سکتا ہے تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو!“

”نہیں میں نے اپنے ان گناہگار کانوں سے خود سنا ہے۔ وہ غیر ملکی دہشت گرد ہے، فون پہ اپنے پاس سے پلان ڈسکس کر رہا تھا، میں نے سن لیا۔ بس اب جلدی سے پولیس کو فون ملاؤ۔“ اس نے تپائی پہ دھرا فون سیٹ اٹھا کر گود میں رکھا۔

”مگر ہانی! اگر پولیس نے تم سے ثبوت مانگا تو؟“ وہ جو زور و شور سے ہمبر ڈائل کرنے لگی تھی ڈھیل پڑ گئی۔ واقعی ثبوت تو اس کے پاس نہیں تھا۔

”لیکن... لیکن ہمیں اطلاع تو کرنا چاہیے۔“ ”مگر کس بنیاد پہ؟ اگر وہ واقعی ٹیررسٹ ہے تو اس کے سورسز پولیس میں بھی ہوں گے اور پولیس کے پاس ہمارا نمبر آجائے گا۔ پھر۔“

”پھر کیا کریں ثبوت کیسے اکٹھے کریں؟“ اس نے فون پرے کر دیا۔

”یہ تو مجھے نہیں پتا۔ ایک تو دہشت گردوں والا کوئی ڈرامہ بھی آج کل نہیں آرہا۔“ نگین نے مایوسی سے گردن جھکائی، پھر ایک جھٹکے سے اٹھائی ”ڈرامہ! اوہ میرا ڈرامہ۔ میں تو بھول ہی گئی۔“ اس نے تڑپ کرئی دی کو دیکھا۔

مگر اب اسکرین پہ اشتہارات چل رہے تھے۔ ”اسے چھوڑو یہ سوچو کہ اب کیا کرنا ہے۔“ ”کیا کریں؟“

دونوں نے چند لمحے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر اپنے سر ہاتھوں میں گرا دیے۔ چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔

پھر ایک جھٹکے سے دونوں نے سر اٹھایا۔ ”سنی!“ دونوں ایک ساتھ چیخیں۔

کتابوں کے ڈھیر میں بیٹھے سنی نے فوراً ”کتاب چرے کے اور آگے کر دی۔“

”سنی!“ آگے پیچھے جست لگا کر دونوں اس کے اطراف میں آ بیٹھیں۔

وہ کارپٹ پہ صوفے کے کنارے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ کتاب ہنوز چرے کے سامنے تھی۔ ان کے پکارنے پہ کتاب ہٹائی۔

”جی؟“

”تم کتنے اچھے ہو سنی!“

”کام بتائیں۔“

”تم۔ تم۔ اگر تمہارے پاس کسی مجرم کو گرد کروانے کے لیے ثبوت نہ ہوں تو تم کیا کرو گے؟“

”میں اپنے کام سے کام رکھوں گا۔“ اس نے پھر سے کتاب چرے کے سامنے کر لی۔

”سنی! اچھے بھائی نہیں ہو؟ دیکھو اگر وہ مجرم کسی کی جان کے درپے ہو تو بھی تم کچھ نہیں کرو گے؟“

سنی نے کتاب بند کر کے میز پہ رکھی، پھر انگلی ٹھوڑی پہ رکھے اوپر دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔

”ہاں تب میں اسے گرفتار کرواؤں گا۔“ ”مگر کیسے؟ یاد رکھو تمہارے پاس اس کے خلاف ثبوت نہیں ہیں!“

”میں اس کی جاسوسی کر کے ثبوت اکٹھے کروں گا۔“

ہانی اور نگین نے ایک لمحے کو ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر سنی کو۔

”اور۔ اور یہ جاسوسی کیا ہوتی ہے؟“ ”جاسوسی؟“ اس نے ناک پہ پھسلتی عینک پیچھے کی۔

”کیا آپ جانتی ہیں کہ جاسوسی اعصاب کا کھیل ہے۔ یہ صرف مضبوط اعصاب سے ہی کھیلا جاسکتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے طارق اسماعیل ساگر کی کتب ملاحظہ فرمائیں۔“

”کوئی کتاب پڑھ کر جاسوس نہیں بن سکتا سنی! ہمیں ایک ٹیچر چاہیے۔“ سنی نے مسکرا کر پھر عینک پیچھے کی۔

”مجھ سے اچھا ٹیچر آپ کو نہیں مل سکتا!“ اب وہ ڈھیر میں ہاتھ ڈالے کوئی کتاب نکال رہا تھا۔

”جاسوسی کا پہلا اسٹیپ۔ ٹارگٹ کی روٹین کا جائزہ!“

سنی کاؤچ پہ بیٹھا پاؤں میز پہ رکھے کتاب سے پڑھ

پڑھ کر بول رہا تھا۔
وہ دونوں کھڑکی کے سامنے جڑی بیٹھی تھیں۔ سنی نے کہیں سے ایک دور بین نکال کر ان کو دے دی تھی اور اب اسے آنکھوں سے لگائے ہانی "ٹارگٹ" کی ہر حرکت بتا رہی تھی جو کہ ساتھ بیٹھی نگین تیزی سے نوٹ بک سے لکھے جا رہی تھی۔
"لکھو صبح سات بجے وہ کتے کو لے کر واک پر نکلا۔ آٹھ بجے واپس آیا۔ پھر اس نے لان میں بیٹھ کر چائے پی۔"
"اس کا کتا چائے بھی پیتا ہے؟" نگین نے بے یقینی سے سراٹھایا جواباً ہانی نے زور سے اسے کہنی ماری۔
"لکھو، ٹارگٹ نے چائے پی۔ اب وہ اخبار پڑھ رہا ہے۔"
نگین تیزی سے لکھ رہی تھی۔
"اب وہ کسی کو فون ملا رہا ہے۔ ایک تو اس دور بین سے آواز کیوں نہیں آتی۔"
"پہ بھی لکھوں؟" نگین نے رک کر پوچھا۔
ہانی نے اسے مارنے کے لیے کشن اٹھایا اور وہ دونوں ہاتھ سر پہ رکھے نیچے ہوئی۔
پہلے تین دنوں میں انہوں نے اس کی روٹین اچھی طرح سمجھ لی۔
وہ صبح واک کے لیے گھر سے نکلتا یا پھر رات کو سات آٹھ بجے کے قریب پھر رمضان شروع ہو گئے مگر اس کی روٹین برقرار رہی اور اب بھی وہ رات آٹھ بجے خوب تیار ہو کر گاڑی پہ نکل جاتا۔ پھر رات گیارہ کے قریب ٹیرس پہ موبائل کان سے لگائے ہنس ہنس کر باتیں کرتا دکھائی دیتا۔ ساڑھے گیارہ بجے تک وہ سونے چلا جاتا اور وہ دور بین رکھ دیتیں۔

"جاسوسی کا دوسرا اسٹیپ۔ ٹارگٹ کے جاننے والوں سے اس کے متعلق معلومات اکٹھی کرنا۔"
سنی کے پڑھائے گئے اسباق ان کے ذہنوں میں مسلسل گھوم رہے تھے۔

وہ جمائیاں روکتی بے زاری کالونی کے سرے پہ بیچ پہ بیٹھی تھی۔ نگین قلم اور نوٹ بک تھامے مستعدی سے کھڑی تھی۔
"کب آئے گا آخر اس کا اخبار والا؟" ہانی نے کوفت سے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ اسے گھڑی باندھنے کی قطعاً عادت نہیں تھی مگر جیمز باند کو فلموں میں اور بوڑراور ہومز کو کتابوں میں گھڑی پہننے ہمیشہ دیکھا تھا اور فی الحال وہ خود کو ان سے کم نہیں سمجھ رہی تھی۔
"اخبار والا آئے گا تو ہم کیا کر سگے ہانی؟"
"بدھو! یاد نہیں ہے سنی نے کیا کہا تھا؟ پہلے اس کی تعریف کر کے اسے متاثر کریں گے۔ پھر اس سے ٹارگٹ کے متعلق پوچھیں گے۔"
"کیا پوچھیں گے؟"
"شش۔۔۔ وہ آرہا ہے!" اس نے جلدی سے نگین کا ہاتھ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
اخبار والا سائیکل دوڑاتا سامنے سے آرہا تھا۔ فرہاد کے گھر کے باہر اس نے سائیکل روکی۔ بول کیا ہوا اخبار اندر اچھالا اور پھر اسی مگن انداز میں سائیکل آگے بڑھا دی۔
وہ دونوں چل کر اس کے سامنے آگئیں۔
اخبار والا نے سائیکل آہستہ کر دی۔
"بات سننا بھائی۔"
"جی؟" اس نے سائیکل ان کے قریب روکی۔
"اسلام علیکم!" ہانی نے تیز سے سلام کیا تب ہی نگین نے کہنی ماری۔ اس نے پلٹ کر نگین کو دیکھا۔
"کیا ہے؟"
"تعریف کرو نا اس کی۔" پرجوش سی سرگوشی کی۔
"اب اس زکوٰۃ جن کی میں کیا تعریف کروں؟" اس نے نگین کو گھورا پھر چہرہ اخبار والا کی جانب موڑا۔
"بھائی! آپ کے پاس ڈیلی ٹائمز ہوگا؟"
نگین نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"ایک آخری تھا وہ ابھی سی فائیو میں پھینک دیا ہے۔"

"آپ کے پاس اور نہیں ہوگا؟"
"ہانی! نگین نے پریشانی سے الجھ کر اس کا بازو تھامنا چاہا مگر اس نے اسے "شش" کہہ کر روکا۔
"نہیں۔۔۔ اور نہیں ہے۔" نفی میں سر ہلاتے اخبار والا نے اخباروں کے بندل میں ہاتھ مارا تھا۔
"اوہو۔۔۔ مجھے تو بہت ضروری چاہیے تھا۔ میرا بی اے کا رزلٹ آؤٹ ہوا ہے کل۔ آپ مجھے سی فائیو والا سے اخبار صرف دو منٹ کے لیے لادیں نا۔"
نگین ہونٹوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔
"نگین بی۔۔۔"
"پلیز بھائی لادیں دیکھیں میں اتنی دیر سے آپ کو یہ ہی کہنے کھڑی تھی ادھر اب نگین سے ضبط نہ ہو سکا۔" نگین نے ہانی! تم یہ کہنے تو نہیں آتی تھیں۔ تم بھول گئی ہو؟ تمہارا بی اے تو پچھلے سال ہی کلیئر ہو گیا تھا۔ ہم تو اس لیے یہاں کھڑے تھے کیونکہ ہم نے اخبار والا سے اس بندے کے متعلق انفارمیشن لینا تھی۔"
اس نے بوکھلا کر نگین کے منہ پہ ہاتھ رکھا مگر اخبار والا مشکوک نگاہوں سے انہیں گھور رہا تھا۔
"کس کی جاسوسی کر رہی ہو آپ بی بی!"
"جاسوسی؟" نگین کی آنکھیں خیرت سے ابل پڑی۔
"اسے کیسے پتا چلا؟"
"ٹھیک۔۔۔ کچھ نہیں تم تم جاؤ۔" اور وہ کہنے کے ساتھ ہی نگین کا ہاتھ کھینچتی واپس لے آئی۔

"جاسوسی کا تیسرا اسٹیپ۔ ٹارگٹ کے نہ جاننے والوں سے اس کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنا۔"
سنی کمرے میں ٹھٹھا کتاب پہ نگاہیں جمائے ہاتھ ہلا ہلا کر کہہ رہا تھا۔
"اب یہ نہ جاننے والے کون ہوتے ہیں؟"
سی فور کے گیٹ کے سامنے کھڑے ہوئے ہانی نے جھلا کر پوچھا تھا۔ جواباً نگین نے فوراً "نوٹ بک کے صفحے پیچھے پلٹے۔"

"ہاں، سنو، سنی نے کہا تھا، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو آپ جانتے ہوں اور جو ٹارگٹ کو بھی جانتے ہوں مگر ٹارگٹ ان کو نہ جانتا ہو۔"
"دیکھتے ہیں۔" ہانی نے گہری سانس لیے ہوئے نیل پہ ہاتھ رکھا۔ یہ سی فور تھا۔ فرہاد کے ہمسایوں کا گھر۔
چند ہی لمحے بعد گیٹ کھلا۔ ایک خاتون نے سر باہر نکالا۔ سر سے پیر تک ان کو دیکھا، ناک چڑھائی۔
"کیا ہے؟" انداز روکھا تھا۔
"ہم سامنے والے گھر سے آئے ہیں، کچھ کام تھا آپ سے۔" ہانی نے مسکرا کر خوش دلی سے تعارف کروایا۔
"بولو!"
"وہ آئی! بات یہ ہے کہ۔۔۔ ویسے ادب میں آئی کہہ رہی ہوں۔ ورنہ کہنا تو نہیں چاہیے، کیونکہ آپ ماشاء اللہ اتنی یگ ہیں۔"
"واقعی ہانی! آئی تو نہ کہو۔ چھوٹی تانی جتنی تو ہوں گی۔" نگین نے آہستہ سے کہا تھا مگر آئی کے تاثرات بگڑے۔
"جی بالکل، ہماری چھوٹی تانی ٹونٹھی ایریز کی ہیں۔ نا ابا کی دوسری وائف ہیں نا، سو اس لیے تانی کہتے ہیں ورنہ ماشاء اللہ آپ کی طرح ہی یگ اور اسمارٹ ہیں۔"
اس نے نگین کو گھور کر، مسکراتے ہوئے بات سنہائی۔
آئی کے تاثرات ذرا نرم پڑے۔ ذرا تاخیر سے انہوں نے شانے اچکائے۔ "طاہر ہے، اصلی عمر ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔ خیر تاؤ، کیا کام تھا؟"
"وہ آئی، بلکہ باجی کہنا مناسب ہوگا۔" اب کے وہ سنی کی نصیحتوں پہ پوری طرح عمل کر رہی تھی بات یہ ہے کہ ہر طرف لان کی سیل لگی ہوئی ہیں، رمضان بھی شروع ہو چکا ہے، اب میری کزن تو ذرا پھوڑ ہے اور اس کا نیٹ بھی اتنا اچھا نہیں مگر اتنے دن سے میں آپ کو دیکھ رہی ہوں۔ آپ کے کپڑوں کے کلر ز اور پرنٹس اتنے زبردست ہوتے ہیں کہ میں متاثر ہوئے

بنا نہیں رہ سکی۔

نگین کا منہ آدھا کھل گیا۔

”اب آپ خود ہی دیکھ لیں باجی کہ میرا اور میری کزن کا جوڑا کتنا عام اور پھیکا سا ہے دوسری طرف آپ کا یہ جوڑا تین ہزار سے کم کا نہیں لگ رہا۔“

نگین کے ماتھے پہ تیوریاں پڑ رہی تھیں مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔

”تو باجی! میں آپ سے یہی کہنے آئی تھی کہ اگر ڈریس سلیکشن میں آپ میری مدد کریں اور میرے ساتھ شاپنگ چلیں تو۔“

”کون سی شاپنگ؟ کہاں کی شاپنگ؟“ نگین کمر پہ ہاتھ رکھے چلائی تھی ”تم نے مجھے تو کہا تھا کہ سی فوری کی بڑھی گھوڑی لال لگام کی جھوٹی تعریفیں کریں گے تو خوش ہو کر ساتھ والے کے بارے میں ہمیں ساری معلومات دے دے گی، مگر تم نے اکیلے اکیلے شاپنگ بھی پلان کر لی اور مجھے بتایا تک نہیں!“

”نن۔ نگین!“ اس نے بوکھلا کر آئی کو دیکھا جواب قبربرسانی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”میں نے شاپنگ کا تمہیں بتایا تو۔“

مگر بات سنبھالنے سے قبل ہی آئی نے کھٹاک سے دروازہ بند کر دیا۔

”تم واقعی میرے بغیر شاپنگ پہ چلی جاتی کیونکہ میں پھوڑ ہوں؟“ وہ روہانی ہو رہی تھی۔

”تھوڑا! میں تمہیں بتاتی ہوں کہ تم کیا ہو۔ آج تم میرے ہاتھوں نہیں بچو گی۔“ وہ جارحانہ انداز میں آگے بڑھی اور نگین ڈر کر گھر کی طرف بھاگی۔

☆☆☆

”جاسوسی کا جو تھا اسٹیمپ۔ ٹارگٹ کے بارے میں ڈاکومنٹ انفارمیشن اکٹھی کرنا۔“

انٹاری کے بعد وہ تینوں نگین کے کمرے میں موجود تھیں۔

سنی ہاتھ میں چس کا کھلا پیکٹ پکڑے، چس نکال نکال کر کھا رہا تھا۔ گود میں بڑی سی کتاب کھلی رکھی

تھی۔ نگین ساتھ بیٹھی اپنے دوپٹے کے پلو سے چشمہ صاف کر رہی تھی جبکہ وہ دور بین لگائے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ سنی کی بات پہ مایوسی سے اس نے دور بین رکھی۔

”ڈاکومنٹ انفارمیشن کہاں سے اکٹھی کریں؟ میرے باپ دادا کا کبھی نادرا سے تعلق نہیں رہا۔“

”تو بہ! ان کا کیوں کسی نادرا اور اسے تعلق ہوتا؟“ نگین برامان گئی۔

”تم تو چپ ہی رہو۔“ وہ صبح سے اس پہ جلی بھنی بیٹھی تھی۔ ہر دفعہ نگین کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور کرتی تھی۔

”میں تو بتانے لگی تھی کہ عظمیٰ نے مکار ڈاکو کے بارے میں کیسے انفارمیشن اکٹھی کی تھی مگر ٹھیک ہے نہیں بولتی۔“

”کون عظمیٰ اور کیا کیا اس نے؟“ وہ الرٹ ہوئی۔

”دھواں ڈراے والی عظمیٰ۔ جب اظہر نے اسے مسکار کی بیوی کو فون کرنے کو کہا تھا اور پھر انہوں نے با آسانی مسکار کو ٹریس کر لیا تھا۔“

”ارے ہاں یاد آگیا۔ فون لاؤ۔“

”مگر نمبر آجائے گا۔“

”ارے میری سم سے کرو اس سے کچھ نہیں ہوگا۔“ اس نے جھٹ اپنا موبائل تکیے سے اٹھایا اور نمبر ڈائل کیا۔

”ریکارڈ بھی کرونا۔“

”کرتی ہوں۔“ اس نے ریکارڈنگ آن کر کے فون کان سے لگایا۔ گھنٹی جاری تھی۔ نگین اور سنی آگے ہو کر اس کو دیکھ رہے تھے۔

”ہیلو!“ چھٹی گھنٹی پہ فون اٹھالیا گیا۔

”السلام علیکم۔ میں سرف بنانے والی کمپنی سے بات کر رہی ہوں۔ ہم اپنے پروڈکٹ کے بارے میں عوام کا فیڈ بیک جاننا چاہ رہے تھے۔ آپ بتائیے آپ نے ہمارے سرف کو کیا پایا۔“

”میں دھولی نہیں ہوں۔ کپڑے لائڈری سے دھواتا ہوں۔“ وہ بے زاری سے بولا تھا۔

”تو آپ ہمیں اس لائڈری کا نام ہی بتا۔“

دوسری طرف سے کھٹ سے فون رکھ دیا گیا۔

”تجائیں کس شیریں کا فرہاد ہے یہ!“ وہ فون کو گھور کر رہ گئی۔ ”خیر اس کی آواز ہمارے پاس آگئی ہے۔“

اب آگے کیا کرنا ہے؟

”کیا کرنا ہے؟“ سنی کے پیکٹ سے چس نکالتی نگین نے غائب دماغی سے دہرایا۔

”بھئی عظمیٰ نے آگے کیا کیا تھا؟“

”وہ۔ اظہر نے ریکارڈنگ ایس ایچ او کو سنوائی تھی اور ایس ایچ او مسکار کی بیوی کی آواز پہچان گیا تھا۔“

”مگر ہماری کہانی میں نہ اظہر ہے نہ ایس ایچ او۔“

”یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں!“

”کاش تم کبھی سوچنے بھی لگو نگین!“ اس نے بے زاری سے فون واپس پھینکا۔ ”تنا وقت برباد کر دیا اور حاصل کچھ بھی نہیں۔“

”ویسے اس کے مالک مکان کے پاس اس کے ڈاکو منٹس تو ہوں گے۔“ چند لمحوں بعد وہ سوچ کر بولی۔

”لیکن مالک مکان کا نمبر تو ہمارے پاس نہیں ہے۔“

”مگر اس شیریں کے میاں کے پاس تو ہو گا نا! میرے پاس ایک آئیڈیا ہے، چھوٹا چھوٹا، وہ اونچا اونچا چھوٹا گوپکارنی اپنا موبائل تلاش کرنے لگی۔

☆☆☆

دور بین آنکھوں سے لگائے، وہ موبائل کان پہ رکھے بیٹھی تھی۔ نگین نے اپنا کان اس کے کان سے لگے موبائل سے جوڑ رکھا تھا۔

”اب چھوٹو اس کے سامنے کھڑا ہے۔“ وہ دور بین سے دیکھتی مدھم آواز میں کہہ رہی تھی۔

سامنے والے لان میں وہ کرسی پر ٹانگ۔ ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔ چھوٹو اس کے سامنے تھر تھر کانپتا کھڑا تھا۔

”کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟“

ہانی کے کان سے لگے موبائل سے فرہاد کی آواز

بخوبی سنائی دے رہی تھی۔ اس کی کل نگین کے موبائل سے ملی ہوئی تھی، جو چھوٹو کی جیب میں چھپا تھا۔

”وہ جی، مجھے میرے صاحب نے بھیجا ہے۔ ہم آپ سے پہلے اس گھر میں رہتے تھے۔ ہمارا کچھ سامان ادھر رہ گیا تھا، جس کے لیے ہمیں مالک مکان سے رابطہ کرنا ہے۔ صاب سے ان کا نمبر کھو گیا ہے۔ اگر آپ کے پاس ہے تو دے دیں۔“

چھوٹو نے رٹو رٹو کی طرح ہانی کا یاد کرایا بیان دہرا دیا۔

ہانی نے فاتحانہ مسکراہٹ سے نگین کو دیکھا اور پھر سامنے نظر آتے منظر کو۔

”اچھا!“ فرہاد نے آنکھیں سکوڑ کر چھوٹو کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟“

”نام؟“ چھوٹو کے رہے سے اوسان جانے لگے۔ نام کا بتانا تو اسکرپٹ کا حصہ ہی نہیں تھا۔

”کیوں؟ تمہیں اپنا نام نہیں آتا؟“

”وہ جی، باجی نے کہا تھا کہ کتے والا جو بھی فضول سوال پوچھے، جواب نہیں دینا۔“ ہانی نے بے اختیار سر پہ ہاتھ مارا۔

فرہاد کے لبوں کو ایک جان دار مسکراہٹ چھو گئی۔

”تمہاری باجی نے اور کیا کیا کہا تھا؟“

”وہ جی۔۔۔ چھوٹو ذرا شرمایا گیا۔ ”انہوں نے کہا تھا کہ اگر میں یہ کام کروں تو جس کڑی سے چاہوں، وہ اس سے میرا رویہ کرا دیں گی۔“

”تمہاری باجی نے کوئی میرج بیورو تو نہیں کھولا ہوا؟“

”نہ جی، وہ کیوں گیرج کھولیں گی؟ بہت پڑھی لکھی ہیں وہ گلاہور سے آئی ہیں۔“

”چغہ ذلیل۔۔۔ اب نام ہی نہ بتا دیے۔“ وہ دور بین آنکھوں سے لگائے غصے میں کھول رہی تھی۔

”تو جا کر اپنی پڑھی لکھی باجی سے کہو کہ کتے والا بوجھ رہا ہے، میرے شفٹ ہونے سے ہفتہ پہلے تو اس گھر کی تعمیر مکمل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے تو یہاں خالی

پلاٹ تھا۔ آپ کیا اس میں جھگی لگا کر رہتی تھیں؟
”جی۔ جی“ اس کے سخت ہوتے تیوروں پہ چھوٹو
الٹے قدموں واپس بھاگا۔ رومیو زور زور سے جھونکنے
لگا۔

گرتا پڑتا چھوٹا ہر آیا تھا۔

”آئے ذرا اسے۔ میں ویاہ کراتی ہوں اس کا۔“ ہانی
نے دور بین ایک طرف رکھی اور آستینیں موڑ لیں۔
اب اس کا سارا غصہ چھوٹو پہ لکنا تھا۔

”جاسوسی کلپانچواں اسٹیپ۔“

وہ دونوں اداسی سے کھڑکی سے لگی نیچے فرہاد کے
گیٹ کو دیکھ رہی تھیں جہاں وہ واک کے لیے نکل
رہا تھا جب سنی پیچھے سے آکر بولا۔

”کیا؟“ ان دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔

”ٹارگٹ کا تعاقب! ٹارگٹ جہاں بھی جائے اس کا
پیچھا کیا جائے گا۔“

ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اگلے
ہی بل باہر کو بھاگیں۔

”مگر“ کچھ کتنا سنی ہڑبڑا کر سائیڈ پہ ہوا۔ وہ دونوں
دوڑ کر باہر نکلیں اور اب تیزی سے آگے پیچھے
سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔

”مگر۔۔۔ مگر خاصے فاصلے سے آیا!“ سنی نے تاسف
سے بات مکمل کی، لیکن وہ عجلت میں سے بغیر ہی جا چکی
تھیں۔

فرہاد ابھی اپنے گیٹ سے چند قدم آگے ہی بڑھا
تھا۔ ہاتھ میں کتے کی زنجیر تھی جو کہ دم ہلاتا مزے سے
اس کے پیچھے جا رہا تھا۔

ہالی گیٹ پہ ایک لمحے کو رکھی پھر روپٹہ سر پہ لے کر
خاصا آگے تک کر لیا۔ نگین نے فوراً ”قلید کی۔“

وہ دونوں اب سر جھکائے تیز تیز قدموں سے اس
کے بالکل پیچھے چلنے لگی تھیں۔

وہ زنجیر پکڑے اپنے خوبصورت برطانوی لب و لہجے
میں انگریزی میں کتے سے باتیں کرتا ان سے چند قدم

ہی آگے تھا۔

تھوڑی دور جا کر وہ ایک دم رکا۔ ان دونوں کو بھی
بریک لگے۔ لمحے بھر کو ٹھہر کر وہ پیچھے مڑا۔ وہ بھی ہڑبڑا کر
پیچھے کو پلٹیں۔

چند ثانیے وہ ان دونوں لڑکیوں کی پشت کو دیکھتا رہا پھر
سر جھٹک کر واپس پلٹا۔

وہ پھر سے دونوں کے گھونگھٹ نکالے اس کے
پیچھے ہو لیں۔

چند قدم آگے فرہاد ایک دم رکا اور کتے کی زنجیر
کھینچتا ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ وہ جو اس کے پیچھے ناک
کی سیدھ میں چلی آ رہی تھیں، بو کھلا گئیں مگر اس کے
سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اب چلتی ہی رہیں۔ سو سر
جھکائے آگے بڑھ گئیں وہ وہیں سڑک کے کنارے
کھڑا رہ گیا۔

”یہ رک کیوں گیا ہے؟“

”پتا نہیں۔“

”ذرا دیکھو تو کیا کر رہا ہے؟“

نگین نے گردن ذرا سی موڑ کر دیکھا، پھر منہ بناتے
ہوئے واپس سامنے کو ہوئی۔

”دونوں کتے کھڑے ہم پہ ہنس رہے ہیں۔“

”پھر اب کیا کریں؟ چلتے ہی رہیں؟“

نگین نے شانے اچکا دیے۔ ہالی جھنجھلا کر تیز تیز
قدم اٹھانے لگی۔

”سارے اسٹیپ فیل ہو گئے ہیں تمہارے۔ کوئی
کام کی بات بتائی ہے تم نے ابھی تک؟“

وہ نیم جان سی کاؤچ پہ گری سنی پہ برس رہی تھی جو
اطمینان سے کتاب چرے کے سامنے کیے بیٹھا تھا۔

ایک تو صبح کی گرمی، اوپر سے روزے میں واک۔

اب اس آدھے انگریز کا تو پتا نہیں روزہ تھا یا نہیں کہ
یہ روزہ واک پہ نکل کھڑا ہوتا تھا مگر وہ تو بے حال ہو رہی
تھی۔

”آپا! میں نے کہا بھی تھا کہ فاصلے سے تعاقب کیجیے

کا۔“

”خواب میں کہا ہو گا، ہم نے تو نہیں سنا۔ اور کیا
فائدہ ہوا تعاقب کرنے کا؟ کون سی معلومات ملیں؟“

”کیا آپ جانتی ہیں کہ تعاقب کے دوران ٹارگٹ
جس سے بھی ملے یا جو گفتگو کرے اس شخص سے بھی
معلوم مل سکتی ہیں۔“

”آہو، مگر وہ بات کر رہا تھا اپنے پیارے کتے سے،
اب کیا میں کتے سے اس کی زبان میں بھو بھو شروع
کر دیتی؟“

”بے شک کتے سے گفتگو میں بھی کلیو مل سکتا
تھا۔“ سنی بات ماننے کو تیار نہ تھا۔

”جانے بھی دو۔ وہ بول رہا تھا انگریزوں والی پھول
پھاں انگریزی جبکہ مجھے تو انگریزی فلموں کی انگریزی
بھی بغیر پڑھے سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کی خاک آنا
تھی؟“

وہ تیز نکھے تلے بے حال سی لیٹی کر رہی
تھی۔ صرف اس لیے کہ اس کتے میں سنی کو شک نہ
ہو، وہ کالونی کے پورے تین چکر کاٹ کر آئی تھیں۔

”مگر ہالی! شام کو بھی تو وہ کہیں جاتا ہے۔ تب بھی تو
اس کا پیچھا کیا جاسکتا ہے۔“

”میں نہیں کر رہی کوئی پیچھا و پچھا مجھے معاف
رکھو!“

اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔ نگین گھٹنوں پہ سر رکھے
کچھ سوچنے لگی۔

یہ الگ بات تھی کہ افطاری کے بعد ذرا بعدے کو
قرار آیا تو وہ سارے دعوے بھول بھال کر پھر سے اس
کے تعاقب کے لیے تیار ہو گئی۔

کار انہوں نے کالونی کے سرے پہ روکی ہوئی تھی۔
وہ جانتی تھیں کہ فرہاد، بیس سے گزر کر نکلے گا اور واقعی
چند ہی منٹ بعد اس کی گاڑی زن سے ان کے برابر
سے گزری۔

”چلو!“ اس نے فوراً ”ایک سیٹی پر دباؤ بڑھا دیا۔“

”اب وہ مسیشن ڈیسک پہ کہنی رکھے، فرہاد کی
سمت پشت کیے منتظر تھی کہ کب وہ آئے۔“

نگین سامنے ستون کی اوٹ میں نوٹ بک اور پین
لیے تیار کھڑی ہو گئی۔
شیشے کا دروازہ کھول کر وہ اندر آنا دکھائی دیا۔
بے حد پر اعتماد اور مغرور انداز میں چلتا وہ سیدھا

آج وہ بہت احتیاط سے اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔
مگر نگین بہت ڈری ہوئی تھی۔

”ہالی! اگر کسی نے ہمیں پکڑ لیا تو؟“
”ڈراؤ تو مت!“

اسے خود بھی ڈر لگ رہا تھا۔ کہاں وہ پورا ایک عادی
مجرم، اور کہاں وہ صرف دو عدد تنہا معصوم جوان لڑکیاں

۔۔۔ ”ہائے اللہ۔۔۔“ اسے خود پہ ترس آنے لگا۔ مگر ملک و
قوم کے لیے۔

”ہاں نگین! ملک و قوم کے لیے ہمیں یہ کرنا ہو گا۔“
اس نے جوش سے اسٹیئرنگ و ہیل پہ ہاتھ مارا۔ ”یہ
بازی عشق کی بازی ہے، یہ بازی۔“

”تمہیں اس سے عشق ہو گیا ہے؟“ نگین کو شک
لگا۔

”ارے اس سے نہیں، ملک و قوم سے ہے۔“ اس
نے جھنجھلا کر موڑ کاٹا۔ فرہاد کی گاڑی سامنے ہی تھی۔

”ارے، یہ ہسپتال کیوں آیا ہے؟“ ہسپتال کی
پارکنگ میں اسے گاڑی بڑھاتے دیکھ کر وہ دونوں حیران
ہوئی تھیں۔

”کیا پتا اس کا وہ باس بیمار ہو۔ یقیناً“ کسی غریب کی
بد دعا لگی ہوگی۔ ”وہ اب گاڑی سے نکل کر اس کے پیچھے
آئی تھیں۔“

مسیشن کے قریب فرہاد جیب سے موبائل
نکالتے ہوئے رکا اور چمکتی اسکرین کو دیکھا۔ پھر چند
بٹن دبائے۔ شاید کسی مسیج کا جواب دے رہا تھا۔

موقع اچھا تھا، وہ اس سے پہلے ہی اندر آ گئیں۔
”اگر اپنے باس سے ملنے آیا ہے تو مسیشن سے
پتہ کرنے ضرور آئے گا۔ آؤ۔“ ہالی اس کا ہاتھ تھامے
فرنٹ ڈیسک پہ لے آئی۔

اب وہ مسیشن ڈیسک پہ کہنی رکھے، فرہاد کی
سمت پشت کیے منتظر تھی کہ کب وہ آئے۔

نگین سامنے ستون کی اوٹ میں نوٹ بک اور پین
لیے تیار کھڑی ہو گئی۔

شیشے کا دروازہ کھول کر وہ اندر آنا دکھائی دیا۔
بے حد پر اعتماد اور مغرور انداز میں چلتا وہ سیدھا

رسمی ڈیسک کی طرف آیا جہاں ہانی نے اسے آتے دیکھ کر پوری طرح اس کی طرف پشت کر لی تھی۔ ایک تو کجنت بلا کا ہینڈ سم تھا، اوپر سے تھا بھی دشمن۔

”ایکسیکو زمی سسٹر!“ قریب آکر اس نے اپنے خوبصورت لب و لہجے میں پکارا۔ ایک اتنا ڈشنگ بندہ آپ کو ”سسٹر“ کہہ کر بلائے تو آپ کا دل اپنا نہیں تو اس کا سرواڑ میں دے مارنے کو ضرور چاہے گا۔

”جی سر!“ رسمی شہنشاہ نے خوش دلی سے جواب دیا۔ شکر ہے اسی کو سسٹر کہا تھا۔ وہ بے اختیار اس کی مشکور ہوئی۔

”ڈاکٹر نعمان کہاں ہوں گے؟“ وہ اس کے بالکل ساتھ کھڑا بوجھ رہا تھا۔ قیمتی مسکور کن پرفوم کی مشک اس کے ہوش اڑائے جا رہی تھی۔

”وہ رہے ڈاکٹر نعمان۔“ وہ شکر یہ کہہ کر کارڈور کی طرف مڑ گیا۔ نگین ستون کے پیچھے سے نکلی اور وہ ڈیسک سے ہٹی دونوں ساتھ ملیں اور پھر ایک ساتھ ہی اس کے پیچھے چل پڑیں۔

”دفعنا“ وہ رکا۔ آہٹ محسوس کر کے پلٹا۔ وہ بھی بوکھلا کر واپس مڑیں۔

اس نے آنکھیں سکیڑ کر چند لمحے ان کو دیکھا، پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ تب ہی سامنے سفید اور آل بازو پہ ڈالے ایک ڈاکٹر آتا نظر آیا۔ فرہاد کو دیکھ کر اس کے لبوں پر ایک جان دار مسکراہٹ ابھری۔

”اے یہ عید کا چاند ہوئے فرہاد حسن کب طلوع ہوئے؟“

ڈاکٹر نعمان نے گرم جوشی سے گلے سے لگایا۔ ”پہلی کام کی بات پتا چلی“ اس کا پورا نام فرہاد حسن ہے! نگین ہانی کے ساتھ ان دونوں کی طرف پشت کیے کھڑی جلدی جلدی نوٹ بک سے قلم کھینچنے لگی۔

”بکومت“ اور سوری یار! میں پہلے نہیں آسکا، انکل کی طبیعت اب کیسی ہے؟“

”لکھو ٹارگٹ نے باس کے لیے ”انکل“ کا کوڈورڈ

رکھا ہوا ہے۔“ اس نے نگین کے کان میں سرگوشی کی۔

”اب بہتر ہیں آؤ، تمہیں ملواتا ہوں۔ اور تم سناؤ تمہاری پرنس کیسی ہے؟ ابھی تمہاری قید میں آئی یا نہیں؟“

”قید!“ وہ چونکی، نگین کے بھی کام کھڑے ہوئے۔ ”قید میں تو بس سمجھو وہ آئی گئی ہے۔“ وہ مبہم سا مسکرایا۔

ہانی کا روالا رواں کانپ اٹھا۔ ”سوچ لو، کہیں اس زبردستی پہ زنجیریں تڑوا کر بھاگ نہ جائے۔“

”تو اس نے کسی لڑکی کو زنجیروں سے قید کر رکھا ہے؟“ وہ شدید صدمے میں گہری انت کی باتیں سن رہی تھی۔

”ہماری زنجیریں بڑی مضبوط ہیں، نہیں بھاگے گی، بے فکر رہو!“

وہ دونوں اب باتیں کرتے دور جا رہے تھے۔ ہانی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پلٹ کر ان دونوں کو دیکھا اور پھر نگین کو۔

”یہ لڑکیاں بھی اغوا کرتا ہے۔“ ”ہاں، اور ہم بھی لڑکیاں ہیں۔ مجھے ڈرگ لگ رہا ہے، اگر اس نے ہمیں دیکھ لیا تو؟“

”بھاگو!“ وہ نگین کا ہاتھ کھینچ کر دھڑکتے دل کے ساتھ اسے باہر لائی۔

”بس کچھ دن کے تعاقب کی بات ہے، پھر اسے گرفتار کروا ہی لیں گے۔“

ہانی جوش سے کہتی نگین کے ہمراہ گھر میں داخل ہوئی تھی۔ کل ”قید کی لڑکی“ کا سن کر آج انہوں نے فرہاد کا واک پہ پورا پورا پیچھا کیا تھا۔ گو کوئی کامیابی تو نصیب نہ ہوئی مگر ان کا جوش دیدنی تھا۔

”میرا گلن ہے کہ یہ آج کل میں اس جگہ ضرور جائے گا جہاں اس نے اس معصوم لڑکی کو چھپا رکھا ہے

اور تب ہم۔“ سامنے کڑے تیور لیے بیٹھی خالہ کو دیکھ کر ہانی کی زبان کو بریک لگے۔

”خخخ۔ خالہ!“ وہ بمشکل مسکرائی۔ ”کہاں سے آئی ہو؟“

”لاہور سے۔ آپ بھول گئیں پیاری خالہ؟“ اس نے مسکرا کر آنکھیں جھپکیں مگر خالہ کے تیور اچھے نہ تھے۔

”اللہ بخشے میرے سر مرحوم کو، وہ کہتے تھے لڑکیوں کو دوسوئے کا نوالہ مگر دیکھو عقاب کی نظر سے!“

”ان کے دور میں ”شیر“ ناپید تھے کیا؟“ اسے محاورے کی ٹانگ توڑنے پہ سخت غصہ آیا۔

”بکومت!“ وہ فرماتے تھے، لڑکیاں اگر یوں لور لور پھریں تو مانو کوئی گڑبڑ ضرور ہے!“

”بالکل درست فرما گئے تھے۔ اور نہیں تو کیا۔“ وہ تائیدی انداز میں سر ہلاتی ان کے ساتھ بیٹھنے لگی۔

”خبردار جو مجھے مکھن لگایا۔ وہیں سامنے ہو جاؤ۔“ ”خالہ! وہ روہانسی ہو گئی۔ پھر نگین نے ہاتھ سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا کہ دم کئی لومڑی اکیلے کیوں ہو؟“

”اب میری بات کان کھول کر سنو۔ صبح میرے پاس فرہاد آیا تھا۔“

”کون فرہاد؟“ اس نے معصومیت سے نگین کو دیکھا۔

”ہاں ہاں، اب تمہاری یادداشت جواب دے گئی ہے نا۔“ خالہ طنزیہ بولیں۔ ”وہ کہہ رہا تھا کہ اس کالونی کی لڑکیاں اخلاق و تہذیب سے بالکل غاری ہیں۔“

”ٹھیک کہہ رہا تھا۔ واقعی اس کالونی کی لڑکیاں بڑی بد تہذیب ہیں۔“

”بجا فرمایا آپ نے“ آگے سینے، وہ یہ بھی بتا رہا تھا کہ اس کالونی کی دو لڑکیاں روز اس کا پیچھا کرتی ہیں۔“

”ہاں تو ہوں گی کوئی دو فضول سی لڑکیاں، ہمیں کیا۔“

”ہمیں یہ ہے ہانی بیٹا کہ حیرت انگیز طور پہ ان دو لڑکیوں کا حلیہ بھی۔ تم دونوں سے بہت ملتا ہے۔“

”دیکھا، میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ آپ کی کالونی کی لڑکیاں میرے سارے اسٹائل اور فیشن کا پی کرتی ہیں۔“ وہ ان کے طنز پر اترا کر گردن اکڑاتے ہوئے مسکرائی۔

”جی بیٹا! مگر اتفاق سے ان کے نام بھی ہانی اور نگین ہیں۔“

”واؤ، کتنے اتفاق ہوتے ہیں نا دنیا میں!“

”بکومت!“ خالہ کو جلال آہی گیا، اور جب ان کو جلال آتا تھا تو سننے میں آیا تھا کہ قبر میں ان کے سر مرحوم کی روح بھی کانپ اٹھتی تھی۔

”تم دونوں کیا حرکتیں کرتی پھر رہی ہو؟ جب جی چاہا منہ اٹھا کر پرانے بندے کے پیچھے چل دیں؟ محلے میں ہماری کوئی عزت ہے۔ اگر بات پھیل گئی تو جانتی ہو، کتنی بدنامی ہوگی۔“

”کتنی؟“ بے اختیار لبوں سے پھسلا، پھر گڑبڑا کر زبان روکی۔

”کان کھول کر سن لو، اگر آئندہ مجھے تم دونوں کی طرف سے کوئی شکایت ملی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“

وہ غصے میں کہہ کر بچن کی طرف چلی گئیں۔ نگین منہ لٹکائے صوفی پہ گر گئی، جبکہ وہ وہیں ٹہلنے لگی۔

”اس ڈاکو چور، دہشت گرد کی اتنی ہمت کہ ہماری شکایت لگائے اب تو اس کو اندر کرانا ہی پڑے گا۔“

وہ ادھر ادھر چکر لگاتی بولے جا رہی تھی۔ ”مگر اب اماں سے نظر بچا کر ہم اس کا پیچھا کرنے نہیں جاسکتے۔“

”جاسکتے ہیں۔“ وہ ٹہلتے ٹہلتے رکی۔ اس کی آنکھیں کسی خیال سے چمک اٹھی تھیں۔

”میرے پاس ایک آئیڈیا ہے!“ وہ پر جوش سی اس کے قریب آئی۔

ریسٹورنٹ کے خوابناک ماحول میں لذیذ کھانوں کی

اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ پیچھے دھیمادھیماسا
آرکسٹرا، چیموں اور گلاسوں کے ٹکرانے کی آواز اور
اے سی کی خشکی۔

وہ مدھم روشنی میں ڈوبی کوٹنے والی میز پر موجود
تھیں۔ آج فرہاد کا تعاقب ان کو اس ریسٹورنٹ میں
لے آیا تھا۔

”اب ہم حلیہ بدل کر جائیں گے تاکہ وہ ہمیں
پہچان نہ سکے۔“ نگین اس کے آئیڈیے پر حیران رہ گئی
تھی۔ مگر ڈارک میک اپ، بڑے سیاہ گلاسز اور مختلف
ہیرا شاکل میں اپنا بدلا بدلا سا روپ اس نے نگین کو
دکھایا تو وہ زیادہ متاثر نہیں ہوئی۔

”تم پہچانی جا رہی ہو ہانی!“

”تب ہی اچھی لگ رہی ہوں۔ مگر کوئی بات نہیں۔
وہ کون سا ہمیں بہت دیکھتا ہے۔“ اس نے اپنے بال
مسکاراؤٹی سے ریڈ ڈائی کر لیے تھے۔

اب وہ اس پر نظر رکھے ادھر بیٹھی تھیں۔ وہ سامنے
والی ایک ٹیبل پر بیٹھا، موبائل کے مٹن کافی دیر سے
دبائے جا رہا تھا۔ اس وقت رش کم تھا۔

تب ہی ویٹر اس کا آرڈر لے آیا۔ پینا کولا کے
لبالب بھرے دو گلاس۔

”دو گلاس؟“ ہانی نے گہرے گلاسز کے پار سے
دیکھا۔ ”اس کا مطلب ہے یہ کسی سے ملنے آیا ہے یا
پھر شاید اس لڑکی کے تاوان کی رقم وصول کرنے۔“

نگین نوٹ بک میں سرگھسائے، قلم چلائے جا رہی
تھی۔

”ویٹر نے فرہاد کے سامنے میز پر دونوں گلاس سیٹ
کیے۔ وہ ابھی تک موبائل پر مصروف تھا۔ بس سر کے
خم سے شکریہ ادا کیا۔ سیاہ ڈنر جیکٹ اور سفید شرٹ
میں وہ بہت شاندار لگ رہا تھا۔

”ہانی! آٹھ بج گئے؟“ دفعتاً نگین نے پریشانی سے
سر اٹھایا۔ ہانی نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ آٹھ
بجے گئے تھے۔

”نہیں بچے ابھی آدھا گھنٹہ ہے۔“ اس نے
اطمینان سے نگین کو تسلی دی۔ وہ جانتی تھی سچ بتانے

کی صورت میں نگین بدحواس سی ہو کر باہر بھاگے گی۔
دفعتاً وہ چونکی۔ ایک سوئڈ بوٹڈ ادھر عمر شخص
فرہاد کی ٹیبل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”یہ کون ہو سکتا ہے؟“

آہستہ فرہاد نے سر اٹھایا، پھر مسکراتا ہوا اٹھا۔
”یقیناً“ اس مغویہ لڑکی کا وارث ہے۔ شکل تو دیکھو،
کتنی مسکینوں والی ہے بے چارے کی!“

اب فرہاد گرجوٹی سے اس سے مصافحہ کرتے
ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔ شاید بیٹھنے پر اصرار۔ مگر اس
شخص نے نفی میں سر ہلاتے کوٹ کی جیب سے ایک
پیکٹ نکالا۔

ہانی کے سارے حواس بیدار ہو گئے۔ وہ بے اختیار
گردن اونچی کر کے دیکھنے لگی۔

اب وہ شخص پھولا ہوا خاکی لفافہ فرہاد کو تھما کر کچھ
کہہ رہا تھا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث وہ ان کی
آوازیں نہیں سن سکتی تھیں۔

پھر وہ شخص چلا گیا اور فرہاد نے لفافے کو احتیاط سے
اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالا۔ تب ہی اس کی
نگاہ ان دونوں پر پڑی۔

سر جھکائے نوٹ بک پر کچھ لکھتی نگین اور گردن
اونچی کر کے اس کو دیکھتی ہانی جس نے اس کے متوجہ
ہونے پر گڑبڑا کر سرخ پھیرا تھا۔

فرہاد کے ماتھے پر ناگواری بھری شکن ابھری۔ لب
بھینچ کر وہ اٹھا اور تپے لپے ڈگے بھرتا ان کی ٹیبل تک
آیا۔

اب بھاگتا بے سود تھا۔ وہ جان کر دوسری طرف
دیکھنے لگی۔

”آپ دونوں ادھر کیا کر رہی ہیں؟ عین ان کے سر
پر پہنچ کر وہ درشتی سے بولا۔

نگین کے ہاتھ سے قلم پھسلا۔ گڑبڑا کر اس نے سر
اٹھایا۔ مگر ہانی نے پرسکون انداز میں گردن اس کی
جانب موڑی۔

”ہم سے کچھ کہا؟“
”کیا میں آپ کو دیواروں سے باتیں کرنے والا لگتا

ہوں؟“
”لگنے کو تو آپ بہت کچھ لکھتے ہیں۔“ وہ زیر لب
بڑبڑائی۔ پھر سر جھٹکا ”خیر! آپ کی تعریف؟“

”آپ کیوں میرے پیچھے ہر جگہ پہنچ جاتی ہیں؟
مسئلہ کیا ہے آپ لوگوں کو؟“ وہ خاصا برہم تھا۔

”ہانی نے جواباً حیرت سے نگین کو دیکھا۔
”تم ان کو پہچانتی ہو شائستہ؟“
”کون شائستہ؟ نگین ابھی۔“

اس نے میز کے نیچے سے اپنا پاؤں نگین کے پاؤں
پر مارا۔

”تم۔۔ تم شائستہ۔ تم سے پوچھ رہی ہوں۔ یہ
صاحب کون ہیں اور کیوں ہمیں تنگ کر رہے ہیں۔“

”اپنی اداکاری کے جوہر آپ کہیں اور دکھائیے گا۔
میری بات کان کھول کر سنو تم دونوں۔“ وہ آپ سے
تم پر اتر آیا۔ ”آئندہ اگر مجھے اپنے پیچھے تمہاری

صورت نظر آئی تو اپنے پاؤں پر گھر نہیں جاؤں گی۔“
”تو یہ کیا ہمیں نیکی کروا کے دے گا؟“ نگین نے
حیرت سے اسے دیکھا جو سختی سے دو ٹوک بات کر کے
واپس پلٹ چکا تھا۔

”آیا بڑا کہیں کا نواب! سارے ڈرامے کا بیڑا غرق
کر دیا۔ اور تم بھی تو کچھ نہیں سمجھتی ہو۔“ وہ غصے سے
اٹھ کھڑی ہوئی۔ نگین منہ لٹکائے اس کے پیچھے تھی۔

☆ ☆ ☆
”کل ٹارگٹ نے یقیناً دھماکے کی یا اس مغویہ
لڑکی کے تاوان کی رقم وصول کی ہے۔ مجال ہے جو اسے

ذر شرم آتی ہو۔“
”وہ مسلسل کمرے میں ٹل ٹل کر بولتی اپنا غصہ
نکال رہی تھی۔

نگین بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ناول میں غرق
تھی۔

”اور پتا نہیں کس معصوم لڑکی کو قید کر رکھا ہے۔
جانے کیا حال ہوا ہو گا اس کا۔“

اماں سے سلام دعا کے بعد اس نے تین منٹ تک

نگین نے بہت دھیان سے پڑھتے ہوئے صفحہ پلٹا۔
”زنجیروں سے باندھ رکھا ہے اس ظالم انسان نے
اسے۔ بس ایک دفعہ میرے ہاتھ لگ جائے ساری
زندگی کے لیے جیل نہ بچھوایا تو میرا نام بھی ہانی
نہیں ہے۔ تم نے سنا جو میں نے کہا؟“

”ہاں ہاں۔“ نگین نے بوکھا کر سر اٹھایا۔ ”تم نے
کہا ہانی نہیں ہے۔“

تب ہی خالہ کمرے میں داخل ہوئیں۔ بس
آخری فقرہ کانوں میں پڑا۔ پریشان ہو گئیں۔ ”کیا ہانی
نہیں ہے؟ اللہ بخشے میرے سر مرحوم کو وہ کہا کرتے
تھے جس گھر میں ہانی بار بار ختم ہو اس کے گھروالوں
کے رزق سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ ٹھہرو میں موٹر
چلواتی ہوں۔“

ہانی نے سر پکڑ لیا۔ یہاں کوئی ٹھیک سے بات سننے
کو تیار نہ تھا۔

”اور تم کیوں سر پکڑے بیٹھی ہو؟ اللہ بخشے میرے
سر مرحوم کو وہ کہا کرتے تھے اگر سر کا درد ایک دفعہ
شروع ہو جائے تو جاتا نہیں ہے۔“

”درد نہیں ہے خالہ۔“
”پھر اٹھو، تمہاری اماں کا فون آیا ہے پی ٹی سی ایل
پر۔“

وہ گہری سانس لیتی اٹھی۔ اماں موبائل نہیں رکھتی
تھیں۔

”یہ کیا کہ ذرا سی بات کی اور کریڈٹ ختم۔ ایسی
غرورت میں ہم سے تو گزارا نہیں ہوتا۔“ اور پھر
انہوں نے کبھی موبائل نہیں رکھا۔ اپنا پی ٹی سی ایل
انہیں بہت پیارا تھا۔ کبھی سی تار، جہاں چاہے بھیج
کر لے جاؤ۔

”اللہ بخشے میرے سر مرحوم کو وہ کہا کرتے تھے
لڑکیاں جلد ہی اپنے گھروں کی ہو جائیں تو اچھا ہے۔“
کمرے سے نکلتے ہوئے اس کے کان میں خالہ کا فقرا
پڑا۔ وہ ذرا سی ٹھٹک گئی پھر بھاگ کر نیچے آئی۔

”ہیلو اماں!“

اماں سے سلام دعا کے بعد اس نے تین منٹ تک

گھر کا پورا احوال سنا۔ ماسی کی چوریوں اور کام چوریوں کی داستان، پھپھو کا کسی محفل میں ٹوک دینا اور خالہ کے جرمنی سے بھجوائے گئے تحفوں کی تفصیل سن کر اس نے سرسری انداز میں ”اور سب خیریت ہے؟“ پوچھا تو اماں چند لمحے کور کیں۔

”تمہاری خالہ نے کوئی رشتہ دشتہ تو نہیں دیکھا تمہارے لیے؟“

”معلوم نہیں۔“ وہ خود بھی الجھ گئی۔

”مگر انہوں نے تو۔ خیر“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ ”اچھا وہ عفان کے لیے تمہاری پھپھو اصرار کر رہی ہیں۔“

”اچھی بات ہے، ورنہ کہیں اس دفعہ بھی فیل نہ ہو جائے۔ اصرار کر کے پڑھوانا چاہیے۔“

”اوہ بات تو پوری سنو! انہوں نے عفان کے لیے تمہارا رشتہ مانگا ہے۔“

”وہ ایک دم چپ سی ہو گئی۔

”جو تم بہتر سمجھو، مجھے آگاہ کر دینا۔ سوچ لو۔ اچھا ہے۔“

اس نے آہستگی سے فون کریڈل پہ رکھا۔ ایک دم دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ لاؤنج میں گونے پہ کتابوں کے ڈھیر سے سنی نے سر نکالا۔

”کیا انہوں نے آپ کا رشتہ پکا کر دیا؟“

وہ چونکی۔ ”تمہیں کس نے بتایا ہے؟“

”اماں کچھ کہہ رہی تھیں۔“ اس نے لا پرواہی سے شانے اچکاتے ہوئے کتاب کا صفحہ پلٹا۔

”پتا نہیں۔“ وہ سر جھٹک کر سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

”ہاں، گروس آیا!“

”وہ ٹھنک کر پٹی۔ سنی کتاب پہ نگاہیں جھکائے مسکرا رہا تھا۔

اس کے دیکھنے پہ سر اٹھایا، پھر ناک پہ پھسلتی عینک پیچھے کی۔

”ہاں کر ہی دیں آپا کیونکہ ساتھ والا تو دہشت گرد نکلا۔“

اس نے مسکرا کر پھر سے کتاب چہرے کے سامنے کر لی۔

وہ متحیر سی ساکت رہ گئی۔

کتنی عجیب بات کی تھی سنی نے!

سر جھٹک کر وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی۔

دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔

تنگین اسی طرح بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ناول میں غرق تھی۔ وہ کھڑکی کے سامنے آئی اور پردہ ہٹایا۔

پھر درمیان اٹھا کر آنکھوں سے لگائی۔

”تب ہی فراہ کی گاڑی اس کے پورچ میں رکی۔“

”کیونکہ ساتھ والا تو دہشت گرد نکلا۔“

”عفان کا رشتہ۔“

”ساتھ والا۔“

”چپ کرو!“ اس نے اندر اٹھتی آوازوں کو گھر کا۔

وہ ڈرائیونگ ڈور کھول کر نکلا، پھر پچھلی سیٹ سے چند شاپنگ بیگز نکالے۔

”ورنہ وی ٹائن، جرنیشنز۔“ یہ خالص زنانہ شاپنگ کیوں کر کے لایا ہے؟“

”وہ اب شاپنگ بیگز تھامے چابی سے دروازے کا لاک کھول رہا تھا۔

”کہیں یہ اس مغویہ لڑکی کے لیے تو نہیں لایا، یعنی وہ لڑکی اس کے گھر میں ہے؟“ اگلے گمان نے اسے دہلادیا۔

”ہاں جیسے ناولز میں ہوتا ہے۔“ تنگین بھی ناول چھوڑ کر دوڑی چلی آئی۔ ”اس کو اس لڑکی سے پیار ہو گیا ہو گا۔ تب ہی زبردستی نکاح کرنے کے لیے قید کر رکھا ہو گا۔“

”اب پیار ہو گا تو اتنی مہنگی شاپنگ کر کے لایا ہے ورنہ یاد ہے وی ٹائن کے پرنس تو ہم دور سے دیکھ کر گزر جاتے تھے۔“

”پیار؟“ اسے عجیب سا لگا۔ دل کی حالت غیر ہونے لگی۔

”وہ کیا کسی اور سے پیار کر سکتا ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟“

”وہ ساتھ والا تو دہشت گرد نکلا۔“

ایک دم اس نے دور بین بیڈ پہ رکھ دی اور خود تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

”جاسوسی کا چھٹا اسٹیپ۔“ سنی میز پہ پاؤں رکھے صوفے پہ بیٹھا بول رہا تھا۔ ”ٹارگٹ کے گھر اور سامان کی تلاشی۔“

”اس نے مجھے اپنی نوکرانی تو نہیں رکھا، ورنہ میں یہ ضرور کر لیتی۔“ اس نے تنخی سے سر جھٹکا۔

آج کل وہ بات بے بات تلخ ہو جاتی تھی۔ وہ رہ کر زنجیروں میں جکڑی ایک خوبصورت لڑکی تصور ذہن میں ابھرتا جسے منت کر کے وہ ظالم (مگر بینڈ سم) بندہ کچھ کھلا رہا ہو گا۔

”فوج دور!“

وہ چڑ کر کھڑی ہوئی۔ اب وہ عاجز آگئی تھی اس کی جاسوسی سے۔

اور کمرے میں آئی تو تنگین آنکھوں سے دور بین لگائے کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھی۔

”ہانی!“ اسے آتے دیکھ کر وہ خوشی سے اس کی طرف گھومی۔

”کیا ہے؟“

”فراہ ابھی ابھی گھر سے نکلا ہے۔“

”میری بلا سے دنیا سے بھی نکل جائے۔“

(مگر دل نے پوچھا۔ ”کیا واقعی“ تو وہ دل سے نگاہیں چرا کر رہ گئی)

”ہانی سنو تو۔ میں نے خود دیکھا ہے، وہ دروازہ لاک کرنا بھول گیا ہے۔“

وہ مغویہ یقیناً اس کے گھر میں قید ہوگی۔ چلو چل کر اسے آزاد کراتے ہیں۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

اسے اس لڑکی سے اب رتی برابر بھی ہمدردی نہ تھی۔ ”گھنی، مہسنی، ادا میں دکھا کر پھنسا رکھا ہو گا بے چارے کو۔ اچھا ہے، وہیں سڑتی رہے۔“

مگر وہ بے چارہ کب سے ہو گیا ہانی؟ ”کوئی اس کے اندر ہنسا تھا۔“

”مجھے نہیں پتا۔“ وہ جھنجھلا گئی۔

”کس سے لڑ رہی ہو؟“

”کچھ نہیں۔ تم بتاؤ، کیا کہہ رہی تھیں؟“

”اس کا گھر کھلا ہے۔ چلو اس لڑکی کو آزاد کرو آئیں۔“

”مگر اس سے کیا ہو گا؟“ وہ بے دلی سے بیٹھی رہی۔

”بھئی، وہ لڑکی اس کے خلاف پولیس کے سامنے گواہی دے گی۔“

ہانی نے چونک کر اسے دیکھا۔

”مگر اس نے گواہی دی تو کیا فراہ اس سے نفرت کرنے لگے گا۔“

”اور نہیں تو کیا۔ جو ہمارے خلاف گواہی دے، اس سے ہمیں نفرت تو ہو ہی جاتی ہے۔“

”جی!“ وہ خوشی سے اٹھ کر بیٹھی، پھر سنبھل گئی اور چہرے پہ سنجیدگی طاری کر لی۔ ”چلو۔“

وہ دونوں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتیں، آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔ لائٹ کا سوچج ہاتھ ہی نہیں آ رہا تھا۔

”اس نے ضرور لڑکی کو تہہ خانے میں چھپا کر رکھا ہو گا۔“

”مگر اس کا لونی کے تو سارے گھروں کے ڈیزائن ایک سے ہیں ہانی۔ اور یہ تو کرایہ دار ہے تہہ خانہ کیسے بنا سکتا ہے اتنی جلدی۔“

”ایک تو تم اپنی عقل مندی کی باتیں نہ کیا کرو۔ چلو پھر کمروں میں دیکھ لیتے ہیں۔“

وہ سچ سچ کر آگے بڑھ رہی تھیں۔ لاؤنج میں گھپ اندھیرا تھا۔ وہ دیواروں کا سہارا لیے ذرا آگے آئیں تو ایک دروازے سے ہاتھ ٹکرایا۔

ہانی نے دروازہ دھکیلا۔

چرر کی آواز کے ساتھ وہ کھلتا چلا گیا۔

”ہانی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“

”تو مجھے تو نہ ڈراؤ!“

”ہائے ہانی اگر اس کے گھر میں جن بھوت ہوا تو؟“

”نگین میری جان تو مت نکالو۔“ اس کا اپنا دل زور

زور سے دھڑک رہا تھا۔ بمشکل خود پہ قابو رکھے اس

نے کمرے میں قدم رکھے۔

اے سی کی خنکی ابھی تک باقی تھی۔ کسی قیمتی پرفوم

کی مہک کمرے میں پھیلی تھی۔ وہ اندھوں کی طرح

ٹٹولتی آگے بڑھ رہی تھی جب گھٹنا کسی سخت چیز سے

ٹکرایا۔

”اف!“ وہ کراہ کر رہ گئی پھر ہاتھ سے ٹٹولا۔ لکڑی کا

سرا تھا۔ شاید بیڈ کی پائنٹی۔

”یہ تو اس کا بیڈ روم ہے۔ او کسی اور کمرے

میں۔“

”تب ہی پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی۔

”اوہ گاڑی وہ واپس آگیا۔“

ان کے رہے سے اوسان بھی جاتے رہے۔

”اب کیا کریں؟“

”چلو گھیس چھپتے ہیں۔“

کھڑکی کے پردے ذرا سا سرکائے۔ باہر سے چھن کر

آتی چاندنی میں اسے کونے میں رکھے کشن نظر آئے۔

”اوہ۔“ وہ نگین کا ہاتھ تھامے اس طرف بڑھی۔

”لاؤنج کے داخلی دروازے کا ہینڈل ایک کلک کے

ساتھ کھلا۔ اور بھاری بوٹ داخل ہونے کی آواز آئی۔

وہ دونوں کشن کے پیچھے بیٹھ گئیں۔ ایک بڑا کشن

اپنے اوپر رکھ لیا اور پیچھے جھولتا رہا اس پر ڈال دیا۔

لاؤنج کے فرش پہ جوتوں کے چلنے کی آواز آرہی

تھی۔

ہانی کا سانس رکنے لگا۔ ”مگر پکڑی گئی تو؟“

اسے چشم تصور میں اپنا آپ زنجیروں میں جکڑا

دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اب بیڈ روم کی طرف آ رہا تھا۔

قدموں کی چاپ نزدیک آگئی تھی۔ تب ہی نگین نے

ہولے سے سرگوشی کی۔

”سائیم کیا ہوا ہے؟“

فرہاد کا ہیولا سا اسے دروازے میں کھڑا دکھائی د

وہ جیسے متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

ہانی نے چاندنی میں چمکتی وال کلاک دیکھی اور پھر

چہرہ نگین کے کان میں تقریباً ”گھسا کر بہت دھیرے

سے بولی۔

”آٹھ بج گئے ہیں۔“

”کیا؟“ نگین حلق کے بل چلاتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

کشن نیچے گرا۔

پردہ ہٹ گیا۔

ساتھ ہی فرہاد نے لائٹ آن کر دی۔

سارا کمر روشن میں نہا گیا۔

بکھرے کشن پیچھے ہکا بکا بیٹھی ہانی اور کھڑی ہوئی

نگین۔

”آٹھ بج گئے اور تم نے بتایا نہیں۔“ وہ پریشانی

سے چلائی تھی۔ ”آج فریڈے ہے۔“ میرا نصیب

آ رہا ہوگا۔ ہائے پتا نہیں بے چاری نازیہ کا کیا بنا۔“

وہ اسی پریشانی کے عالم میں دروازے کی طرف بھاگی۔

فرہاد راستے میں کھڑا تھا مگر نگین کو جیسے ہوش نہ

تھا۔

”ہئیں جی۔“ وہ اسے ایک طرف کر کے باہر نکل

گئی۔

ہانی شاکند سی بیٹھی رہ گئی۔

وہ اس کے سامنے ہی کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو باندھے

دیوار سے ٹیک لگائے وہ کڑے تیوروں سے اسے گھور

رہا تھا۔ ”میرا نصیب“ کے چکر میں نگین اس کا نصیب

غارت کر گئی تھی۔

”آپ نیچے کیوں بیٹھی ہیں مس ام ہانی؟ اوپر آکر

بیٹھیے۔“ طنز میں ڈوبی آواز پہ وہ ہوش میں آئی۔

”ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ ڈرامہ۔۔۔ لگ گیا ہوگا۔“ وہ انھی

اور نگین کی طرح سر جھکائے تیزی سے دروازے کی

طرف بڑھی مگر فرہاد نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند کیا اور

سامنے آکھڑا ہوا۔

”وہ۔۔۔ ڈرامہ۔۔۔ وہ ممنائی۔“

”ڈرامہ تو میں آپ کو بتاتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے۔“ وہ

کہتے ہوئے دو قدم آگے بڑھا اور وہ اٹے پاؤں پیچھے

ہئی۔

”تو آپ ادھر کیا کرنے آئی تھیں؟“

”وہ ہمارا کیبل نہیں آ رہا تھا۔ تو ڈرامہ دیکھنے۔“

”میرے بیڈ روم میں آپ کوئی وی دکھائی دے رہا

ہے؟“

ہانی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں۔“

”تو اس کا کیا مطلب ہے؟“

”یہی کہ آپ ٹی وی انورڈ نہیں کر سکتے۔“

وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا وہ ویسے ہی اٹے

قدموں پیچھے ہو رہی تھی۔

”مشکل سے تو آپ بہت معصوم لگتی ہیں۔“

”شکریہ۔ سب یہی کہتے ہیں۔“ وہ معصومیت سے

مسکراتی پیچھے ہتی دیوار سے جا لگی۔ اوہ۔ پیچھے دیوار۔

سامنے وہ۔۔۔ اب کیا کرے؟

”مگر سب کو کیا معلوم کہ اتنی معصوم شکل بھی

چوری کرنے کے لیے کسی کے گھر میں داخل ہو سکتی

ہے۔“

”چوری؟“ وہ جو شرمندہ سی سر جھکائے کھڑی تھی۔

ترنپ کر سر اٹھایا۔ ”چور ہوں گے آپ۔۔۔ آپ کے

نانے داد کے میں آپ کو چور لگتی ہوں۔“

”تو میرے گھر میں یوں کیوں داخل ہوئیں؟“

”ارے بھاڑ میں کیا آپ کا گھر۔ میں تو بس اس بے

چاری کو چھڑانے آئی تھی جسے آپ نے اغوا کر کے قید

کر رکھا ہے۔“

وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ

سے بولا۔

”آپ کو کس نے بتایا اس کے بارے میں؟“

وہ بل بھر کو ساکت رہ گئی۔

”آپ نے واقعی؟“

ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید اس کے گمان

جھوٹے ہوں۔ وہ اچھا بندہ ہو۔ وہ سب اس نے خود

سے فرض کر کے غلط سمجھا ہو مگر اس کے اعتراف نے

اسے گنگ کر دیا تھا۔

”جی“ میں نے اپنی منگیتر کو اغوا کر کے اوپر والے

کمرے میں قید کر رکھا ہے اور شاید اب مجھے آپ کو

بھی ادھر باندھنا پڑے۔ اور کیا کیا جانتی ہیں آپ

میرے بارے میں؟“

”نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ بس چاند رات والا

بلا سٹ۔“ بے اختیار زبان دانتوں تلے دبائی۔

”اچھا؟ یہ خبر بھی آپ کو ہے؟ اب تو مجھے آپ کو

لازمی ادھر باندھنا پڑے گا۔“

”نہیں نہیں۔ پلیز مجھے جانے دیں۔“

”ناکہ آپ میرے خلاف پولیس میں رپورٹ

کریں۔“

”نہیں میں نہیں کروں گی پلیز مجھے جانے دیں۔“

اس کا گلارہ بندھ گیا۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے

لگے۔

”اور میں کیسے یقین کروں کہ آپ اپنا منہ بند

رکھیں گی؟“

”میں۔۔۔ وہ ہکلائی۔ یہ تو بیکار وہ تھا کہ کسی طرح

یہاں سے نکلے پھر فوراً پولیس کو فون کرے گی۔

”آپ یہی سوچ رہی ہیں نا کہ مجھے ہسلا پھسلا کر

آپ یہاں سے نکلیں اور گھر جا کر چھوٹے ہی پولیس کو

کال کریں؟“

”نن۔۔۔ نہیں۔“ وہ پھر ہکلائی۔ کنبخت تو ٹیلی

پیٹھی بھی جانتا تھا۔

”مجھے پتا ہے تم یہی کرو گی سو میری بات غور سے

سنو۔ تمہارے گھر کے ہر موبائل اور لینڈ لائن فون اور

انٹرنیٹ پہ میں نے آبرزویشن لگا رکھی ہے اور اگر تم

نے پی سی او کے لیے گھر سے قدم باہر نکالا بھی تو میرے

بندے تمہیں واپس کر رہے ہیں۔ جس لمحے تم نے گڑبڑ

کی میں اس لڑکی کو مار دوں گا۔“

”نہیں! پلیز اس کو کچھ نہ کہیے گا۔ میں کچھ نہیں

کروں گی۔“

”اور اگر چاند رات تک تم گھر سے بھی نکلیں

تو۔۔۔“

”پلیز میں کچھ نہیں کروں گی۔ مجھے جانے دیں۔“
اس کے آنسو ٹپ ٹپ کر رہے تھے۔
”کوئی گڑبڑ کی تو یاد رکھنا!“ دھمکی آمیز ادھوری
بات کر کے وہ سامنے سے ہٹا تو وہ بری طرح روتی ہوئی
باہر بھاگی۔

پھر اپنے گھر کے باہر اس نے آنسو پونچھے۔
”ہانی!“ افسرہ بیٹھی نگین اسے لاؤنج میں داخل
ہوتے دیکھ کر بے اختیار اٹھی۔
”تم ٹھیک تو ہو؟ آئی ایم سوری میں۔“
”جپ! وہ غرائی۔“
”مگر میں۔“

”بالکل جپ!“ وہ سختی سے کہہ کر کاؤچ پہ آگری۔
تب ہی کتابوں کے ڈھیر سے سنی نے پھوے کی
طرح گردن اوپر نکالی۔
”کیا آپ جانتی ہیں کہ اگر جاسوسی کے سارے
اسٹیپ فیل ہو جائیں تو کیا کرتے ہیں؟“
ہانی اور نگین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
”تو اگلا اسٹیپ استعمال کرتے ہیں۔“ محفوظ
انداز میں کتابوں پہلے کی طرح شروع ہو گیا۔
”جاسوسی ساتواں اسٹیپ ٹارگٹ کی۔“
ہانی نے پیر سے جوتا اتارا اور نگین نے کشن
اٹھایا۔

اگلے ہی لمحے دونوں چیزیں سنی کی طرف اڑ رہی
تھیں۔
وہ غراب سے اپنے ڈھیر میں گم ہو گیا۔
”سارا اسی کا قصور ہے۔ اسے اتنا مارو کہ آئندہ یہ
گدھا ہمیں فضول مشورے نہ دے۔“
ہانی دو سرا جوتا اتار کر اس کی طرف آئی مگر ”گدھا“
کتابوں کے بیچ سے بچتا بچتا میڑھیوں کی طرف نکل
گیا تھا۔

مذاق مذاق میں شروع ہونے والا کھیل اتنی سنجیدگی
اختیار کر لے گا اس نے تو سوچا بھی نہ تھا۔

کتنی ہی دفعہ گھر سے باہر نکلنے کا سوچا یا نگین کو کچھ
بتانے کا مگر ہمارا اس کی دھمکی یاد آجاتی تو وہ سہم جاتی۔
دل تو ویسے ہی آج کل روٹھا ہوا تھا۔ ہر شے سے
بے زار ناراض اور تنہا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ
کرے تو کیا کرے۔

آج سعودیہ میں عید ہوئی تھی یعنی اب متوقع طور
پر ادھر چاند نظر آجانا تھا اور اگر آج کی رات چاند رات
ہوئی تو وہ دھماکہ کر دے گا۔ پھر کیا ہوگا؟
وہ کتنی ہی دیر بے چین سی لاؤنج میں ٹی وی کے
آگے بیٹھی رہی۔ رویت ہلال کمیٹی کا اجلاس شروع
ہو چکا تھا مگر ممبرز کے شجرے ہی مکمل نہیں ہو رہے
تھے کہ بات آگے بڑھتی۔

”میرا ناول کدھر ہے؟ ہمیں رکھا تھا۔“
”مجھے کیا پتا۔“

”تم نے ہی اٹھایا ہوگا۔“ نگین اور سنی پیچھے لڑ رہے
تھے۔ اس نے پوری لڑائی تو نہ سنی بس آخر میں سنی کو
غصے سے چہرے کے آگے کتاب کرتے اور نگین کو پیر
پٹخ کر باہر جاتے دیکھا تھا۔

چاند نظر آنے کی خبر آئی گئی۔ اس کا دل ڈوب گیا۔
کتنے لوگ اس کی بزدلی کی وجہ سے آج موت۔ آگے
وہ سوچ نہ سکی اور کمرے میں چلی آئی۔
کتنی ہی دیر وہ بستر پہ چٹ لیٹی چھت کو دیکھتی رہی۔
دفعۃً دروازے پہ مدھم سی دستک ہوئی۔

وہ کسمندی سے اٹھی۔
دستک دوبارہ ہوئی اور پھر مسلسل ہونے لگی۔
وہ جھنجھلا کر آگے بڑھی اور دروازہ کھولا۔
”کون ہے؟ کیا مسئلہ ہے؟ کیوں مجھے۔“ وہ جو غصے
میں بڑبڑ کر رہی تھی ایک دم شل رہ گئی۔
سامنے کھڑی لڑکی نے اس کے حواس سلب کر لیے
تھے۔

وہ بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ دراز قد، لمبے سیدھے
بال کمر پہ گرتے ہوئے، نفاست سے کیا میک اپ، بڑی
بڑی خوبصورت آنکھیں، اور پاؤں تک آتا اسٹائش
سائپنگ فراک۔

وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہانی کو لگا
انے اسے پہلے دیکھ رکھا ہے۔ مگر نہیں۔ اوہ نہیں۔
”نگ۔۔۔ نگ۔۔۔ نگین!“ وہ متحیر سی دو قدم پیچھے

”ہاں میں!“ نگین اپنا دلفریب سر پالے مسکراتی
ٹی دروازے میں کھڑی تھی۔

وہ منہ کھولے نگین سی رہ گئی۔ یہ سب کیا تھا؟
”تم نے کہا تھا ہانی کہ نگین تمہارے گمان کے
لاہق ہوگی، مگر وہ کیا ہے کہ گمان دنیا کی سب سے
دلی بات کو کہتے ہیں۔“

وہ پراعتقاد مسکراتے لمبے میں کہہ رہی تھی۔
”ہو تا یہ ہے ہانی کہ بعض دفعہ اپنی عقل مندی کے
عم میں ہم لوگوں کو کلیجہ گریز میں تقسیم کر دیتے ہیں۔
مجھے برے، کم عقل، چالاک۔۔۔ جبکہ ہر انسان
سرے سے اتنا ہی مختلف ہوتا ہے جیسے اس کی
بلیوں کے نشان۔ مگر ہم کثرت گمان سے باز نہیں
آتے اور یہ گمان بہت دھوکا دیتے ہیں۔ اور جانتی ہو،
ض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ یہ ہمیں تجسس میں ایسا
راتے ہیں کہ باہر نکلنا ناممکن سا ہو جاتا ہے۔“
وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ
نی بڑھی لکھی باتیں نگین کر رہی تھی؟

”تو ہوا یوں کہ چھ سال ہمارا رابطہ نہ رہنے کے
عث تم نے اپنے ذہن سے وہ چھ سال پرانی عینک والی
لم عقل نگین نہ نکلنے دی۔ حالانکہ عینک تو لیزر
ٹمنٹ نے ہی اتروادی تھی اور کم عقلی عمر اور شعور
لی بڑھتی منازل نے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہر پرندہ
ژناسیکھ لیتا ہے مگر تم نے میری کسی بات سے گمان کیا
کہ میں ویسی ہی ہوں، سو میں نے سوچا کہ چلو اپنی
باری ہانی کو ایک سبق دیتے ہیں تاکہ وہ زندگی میں پھر
بھی لوگوں کے بارے میں یوں رائے قائم نہ
کرے۔“

اس نے آہستہ سے اپنا ادھ کھلا منہ بند کیا۔ اندر ہی
ندر غصے کا ابل اٹھنے لگا تھا، مگر نگین اسی طرح کے

جاری تھی۔

”سو میں نے ایک پلان سوچا۔ لائبریری سے ناول پکڑے اور ڈراموں کا ٹائم ٹیبل یاد کیا۔ پھر زیرو نمبر کی عینک لی اور سنی اور اماں کو خاموش رہنے کی تنبیہ کی مگر جنہوں نے سب سے زیادہ میری مدد کی وہ فرہاد تھے۔ آئے فرہاد آپ کو اپنی کزن سے ملواؤں۔“

دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا براؤن کرتے میں ملبوس وہ مسکراہٹ دبائے نگین کے ساتھ آکھڑا ہوا۔ وہ سننے پہ ہاتھ باندھے لب بھینچے خاموشی سے دونوں کو دیکھے گئی۔

”یہ فرہاد ہیں حسن چچا کے بیٹے۔ حال ہی میں ایم بی اے کر کے انگلینڈ سے آئے ہیں۔ چچا اور باقی لوگوں نے بھی عید کے بعد آنا ہے سو بڑی فیملی کے باعث انہوں نے پورا گھر رینٹ پہ لیا اور یہ میرے پلان کا حصہ بھی نہیں تھے مگر جب تم نے ان کی باتیں سنی جن میں یہ حسن چچا سے ایک انکشاف کر کے فیملی میں دھماکہ کرنے کی بات کر رہے تھے اور دھماکے کے پیچھے ”بم“ کا لفظ تم نے خود ایڈ کر لیا تو ہم نے سوچا چلو ایسا ہے تو ایسا سی۔ جب شک کی عینک فٹ کر کے دکھاؤ ان کا ہر عمل مشکوک نظر آیا۔ چاہے آفس کے کوئی کانڈتات لینے ریسٹورنٹ گئے یا دوست کے والد کی عیادت کے لیے ہسپتال یا پھر منگنی کی زنجیروں میں محاور تا اپنی منگیت کو جکڑنے کا ذکر کیا تم ان پہ شک ہی کرتی رہیں چاند رات میں انہوں نے اسی لڑکی کے حوالے سے ایک دھماکہ کرنا تھا مگر خیر آئی ہو پ کہ اس معصوم شرارت پہ تم ہمیں معاف کر دو گی کیونکہ ہم تمہارے اچھے دوست بھی تو ہیں نا۔“

نگین نے شرارت سے چمکتی آنکھوں سے فرہاد کو دیکھا جس نے مسکراہٹ دبائے شانے اچکا دیے۔

”یہ آپ دونوں کا معاملہ ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“

اس نے سگتی نگاہوں سے فرہاد کو دیکھا۔ (وہ غصے کی اداکاری خالہ کو لگائی شکایتیں۔ سب ڈرامہ تھا؟ اور خالہ کو تو اللہ کرے ان کے سر مرحوم قبر سے پوچھنے

آئیں۔

”اچھا گفت دیا ہے آپ نے مجھے عید کا۔“ ساٹ گجے میں کہتی بیڈ پہ اپنا موبائل تلاش کرنے لگی۔ ابھی سب بجی تھی۔ شاید اس کے موبائل پہ کوئی میسج آیا تھا۔

فرہاد تھے نگین کو دیکھا تو اس نے ”سب ٹھیک ہو جائے گا“ اشارہ کیا پھر ہانی کی جانب پلٹی۔

”تو تم نے ہماری شرارت معاف کر دی؟“ ہانی نے موبائل بیڈ سے اٹھایا اور چمکتی اسکرین کو دیکھتے ہوئے شانے اچکائے۔

”معافی کا اختیار ہم بے چاروں کو کہاں حاصل؟“ تلخ لہجے میں کہتے اس نے میسج کھولا۔

خالہ کے نمبر سے ایس ایم ایس آیا تھا۔

”ہانی آیا! اگر آپ ان دونوں سے بدلہ لینا چاہتی ہیں تو جو میں کہوں وہی کریں۔ سنی۔“

اس نے ”جلدی بکو“ لکھ کر جواب دیا اور سپاٹ چہرہ اوپر اٹھایا۔

آخر سنی بھی تو شریک ہی رہا تھا نا۔

”بات یہ ہے ہانی کہ۔“ فرہاد نے اپنے مدھم انداز میں کہنا شروع کیا مگر وہ تیزی سے بات کاٹ کر بولی۔

”آپ میرے نہیں نگین کے کزن ہیں پلیز مجھ سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”ہانی دیکھو ناراض تو نہ ہو۔“ نگین پریشان ہو گئی۔

تب ہی میسج کی بپ دوبارہ بجی۔ اس نے سر جھکا کر ہاتھ میں پکڑا موبائل دیکھا۔

”جاسوسی کا چھٹا اسٹیپ۔ سنی جو کہ اس کی ہاں میں ہاں ملاؤ۔“ آگے ایک آنکھ مارنا چہرہ تھا۔

”ہانی آیا! دفعنا“ سنی نے دروازے سے جھانکا۔

ان تینوں نے پلٹ کر دیکھا۔

”آپ کی فلائٹ کنفرم ہو گئی ہے؟ خالہ کا لاہور سے فون آیا تھا پوچھ رہی تھیں۔ میں نے بتادیا کہ آپ نے دس بجے کی فلائٹ سے آنا ہے۔ صبح یہی بنگنگ کرائی تھی نا آپ نے؟“

نگین نے حیرت سے اسے اور فرہاد نے ذرا پریشانی

سے نگین کو دیکھا۔

”تم واپس جا رہی ہو؟“

”ہاں میری دس بجے کی فلائٹ ہے۔“ اس نے جاسوسی کے چھٹے اسٹیپ پر عمل کیا۔

”اور خالہ یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ آپ نے منگنی کے فنکشن پر اماں کو انوائٹ کر لیا؟“

”نہیں میں ابھی کر دیتی ہوں۔“ وہ سمجھ کر نگین اور فرہاد کی طرف پلٹی جو ابھی ابھی سے کھڑے تھے۔

”کس کی منگنی؟“

”میری منگنی۔“ بہت اعتماد سے اس نے بتایا

”میری پھپھو کے بیٹے عفاں سے میری منگنی عید کے تیسرے روز طے ہے۔ آپ لوگ ضرور آئیے گا اور فرہاد صاحب! آپ بھی انوائٹڈ ہیں۔ اب اگر آپ لوگ مجھے ایک سیوز کریں تو میں اپنی پیکنگ کر لوں۔“

”نگین ہانی۔“

”پلیز مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ بے رخی سے کہتی الماری کی طرف برہہ گئی۔

ایک دم فرہاد تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ نگین بھی متاسف سی اس کے پیچھے ہوئی۔ سنی سب سے آخر میں پلٹا۔ وہ دونوں نکل چکے تو سنی نے باہر کے لیے قدم برہائے۔

وہ الماری چھوڑ کر تیزی سے لپکی اور کان سے پکڑ کر غراب سے سنی کو اندر کیا۔ اور دروازہ بند کیا۔

”گھنٹے بیٹھے مجھے بے وقوف بنارہے تھے سب۔“

ایک میں ہی ملی تھی یہ گھنٹا مذاق کرنے کو؟“

”ناز بازبان کے استعمال پر سنی اپنی ادا واپس بھی لے سکتا ہے۔“ اس نے غصے سے اسے گھورا پھر پکڑ کر بیڈ پہ بٹھایا۔

”یہ میری فلائٹ کس نے یک کرائی ہے۔“

”میں نے صبح کرا دی تھی تاکہ آپ کی فیس سیونگ ہو سکے۔“

”اور یہ منگنی کا چکر۔“

”فرہاد ہانی کو جیلس کرنے کے لیے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ بری طرح چونکی۔

”سیدھی سی بات ہے جو آپ کی سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ غالباً چھت پہ بیٹھی آسمان کے نظارے کر رہی تھیں جب فرہاد بھائی نے آپ کو دیکھا اور فوراً حسن چچا کو فون گھمایا کہ شادی کروں گا تو اسی لڑکی سے۔ وہ لڑکی پسند کرنے ہی ادھر آئے تھے مگر جب آپ چینی لینے گئیں تو خواہ مخواہ جان بوجھ کر آپ کو تنگ کرتے رہے۔ نگین آپ نے ان کو جب یہ بتایا کہ آپ ان کے اور ہمارے رشتے کو نہیں جانتیں تو انہوں نے

چچا کو کہا کہ وہ تھوڑا ٹائم آپ کو تنگ کریں گے پھر چاند رات یہ بتادیں گے۔ یہی دھماکہ ابھی وہ کرنے لگے تھے مگر نگین آپ نے سنی سے ایک ناول کے لیے لڑائی کر کے اس بے چارے کو غداری پر مجبور کر دیا۔“

”اور وہ زنجیروں والی لڑکی؟“

”ارے وہ تو اپنے دوست سے شیر کر رہے تھے کہ

عنقریب آپ کو رشتے کی بیڑیاں پہنادیں گے کیونکہ

اماں خالہ سے سرسری بات تو کر چکی ہیں۔ اصل بات تو چچا کے پاکستان آنے پر ہی ہوگی اور تب تک اگر

آپ کا ایک عدد منگیتر نکل آئے تو سوچیں فرہاد بھائی کتنا جلیں گے۔“

”کہیں تم اب بھی مجھے؟“ اس نے مشکوک

نگاہوں سے سنی کو گھورا تو اس نے شانے اچکا دیے۔

”سنی ایسا نہیں ہے۔“

”اچھا! ایک مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

تو وہ اسے پسند کرتا تھا۔ ورنہ ظاہر تو یہ کر رہا تھا کہ جیسے

نگین سے بہت ”انڈر اسٹینڈنگ“ ہو۔ تیار تو ہو کر

دونوں ایسے آئے تھے جیسے ولیمہ کے دلہا دلہن ہوں۔

گھنٹے بیٹھے...

...

...

...

...

...